پاک وہند کی مشہور علمی شخصیت

علّامہ نیاز فتحپوری

مدیر شہیر ماہنامہ ''نگار'' لکھنؤ، کراچی

اور

جماعت احمدیہ

محمد اجمل شاہد

نشاۃ ثانیہ

''میرزا غلام احمد صاحب نے اسلام کی مدافعت کی اور اسوقت کی جب کوئی بڑے سے بڑا عالم دین بھی دشمنوں کے مقابلہ میں آنے کی جرأت نہ کرسکتا تھا۔ انہوں نے سوتے ہوئے مسلمانوں کو جگایا، اُٹھایا اور چلایا۔ یہاں تک کہ وہ چل پڑے اور ایسا چل پڑے کہ آج روئے زمین کا کوئی گوشہ نہیں جوان کے نشانات قدم سے خالی ہو اور جہاں وہ اسلام کی صحیح تعلیم نہ پیش کر رہے ہوں۔ پھر ہوسکتا ہے کہ آپ ان حالات سے متأثر نہ ہوں لیکن میں تو یہ کہنے اور سمجھنے پر مجبور ہوں کہ یقیناً وہ بہت بڑا انسان تھا، جس نے ایسے سخت وقت میں اسلام کی جانبازانہ مدافعت کی اور قرون اولیٰ کی اس تعلیم کو زندہ کیا جس کو دنیا بالکل فراموش کر چکی تھی۔''

(علامہ نیاز فتحپوری)

علامہ نیاز فتحپوری

اور

جماعت احمدیہ

(ملاحظات نیاز فتحپوری)

مرتبہ:

محمد اجمل شاہد

سابق مربی سلسلہ کراچی

سابق امیر و مشنری انچارج نائیجیریا

الناشر: ادارہ تحقیق الادیان - امریکہ

نام کتاب	:	علامہ نیاز فتحپوری اور جماعت احمدیہ (ملاحظات نیاز فتحپوری)
مرتبہ	:	محمد اجمل شاہد، سابق مربی سلسلہ کراچی سابق امیر و مشنری انچارج نائیجیریا
اشاعتِ اوّل	:	1968ء۔جماعت احمدیہ کراچی
اشاعت ثانی	:	2013ء
اشاعت ثالثہ	:	2016ء
ناشر	:	ادارہ تحقیق الادیان۔امریکہ
تعداد	:	1000

Unitech Publications
143516 Distt. Gurdaspur - PUNJAB (INDIA.)
Ph. 00-91-9815617814 , 9872341117
khursheedkhadim@gmail.com

کتاب خریدنے کیلئے مندرجہ ذیل پتہ پر رابطہ کریں:

M. A. SHAHID
6248 Stone Hills Ct.
Port Tobacco - MD 20677,
U.S.A
Ph. 215-639-1440
majmalshahid@gmail.com

Malik Mohammad Safiullah
8 Mliady Road Toronto
M9L 2H8 ON
Canada.
Ph. 416-846-3000
qadiani@yahoo.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مندرجات

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
1	نقشِ ثانی	5
2	حرفِ آغاز	7
3	تعارف محترم علامہ نیاز فتحپوری صاحب	9
4	ملاحظات کا پس منظر	10
5	دیباچہ از محترم ڈاکٹر پرویز پروازی صاحب	11
6	احمدی جماعت	13
7	غبار یاور صاحب کراچی کا خط اور اس کا جواب	21
8	احمدی جماعت اور مَیں	35
9	سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے ایک عربی نعتیہ قصیدہ پر تبصرہ	41
10	احمدی جماعت کا قریب تر مطالعہ	45
11	چند گھنٹے قادیان میں	52
12	احمدی جماعت اور الیاس برنی	60
13	میں اور احمدی جماعت	65
14	مرزا غلام احمد صاحب اور تحریکِ احمدیت	72
15	''حضرت مسیح علیہ السلام کشمیر میں'' پر تبصرہ	86

16	امتِ محمدیہ میں وحی و نبوت	94
17	مدیر چٹان کی ایک غلط فہمی کا ازالہ	107
18	نظم۔صوفی فقیر محمد صاحب	112
19	ربوہ اور نگار	113
20	فضلِ عمر پبلک لائبریری مارٹن روڈ کراچی کی افتتاحی تقریب میں خطاب	118
21	جماعت احمدیہ کی مثالی اور ناقابل فراموش خدمات	123
22	عکس تحریر۔محترم علامہ نیاز فتحپوری صاحب	124
23	علامہ نیاز فتحپوری کے چند مکتوبات ورسائل	125
24	مکتوب بنام سیدنا حضرت مصلح موعودؓ	127
25	جواب از سیدنا حضرت مصلح موعودؓ	129
26	مکتوبات بنام صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب قادیان	132

نقش ثانی

''ملاحظات نیاز فتحپوری'' آج سے تقریباً نصف صدی قبل، جب خاکسار کراچی میں بطور مربی مقیم تھا، شائع کی گئی تھی۔ اس کتاب کی اشاعت تعلیمی اور تبلیغی حلقوں میں بہت مفید ثابت ہوئی اور ایک زمانہ تک پھیلے ہوئے مواد کی یکجائی صورت میں اشاعت کو بہت سراہا گیا۔ الحمدللہ۔ ایک عرصہ سے یہ کتاب ناپید تھی اور اس کی افادیت کے پیش نظر اس کے نقش ثانی کی مانگ تھی۔ چنانچہ اسی ضرورت کے پیش نظر اسے ہدیۂ قارئین کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

جماعت احمدیہ کے خلاف بہت سے لوگوں نے قلم اٹھایا اور کثرت سے کتابیں شائع کی گئی ہیں۔ لیکن یہ سارا لٹریچر قطعی طور پر مخالفت برائے مخالفت کی بازگشت ہے اور صحیح تحقیق و تنقید سے عاری ہے۔ انہوں نے جماعت کو اور اسکے لٹریچر کو تعصب کی نظر سے دیکھا اور دوسروں کے سامنے متعصّبانہ غلط نتائج پیش کئے اور اکثر نے اس سلسلہ میں نہایت ہی غلیظ اور سوقیانہ زبان استعمال کی۔ اس کے مقابلہ میں چند ایسی مثالیں بھی موجود ہیں کہ جنہوں نے تعصب سے بالا ہو کر تعمیری تنقید کی نظر سے حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام اور جماعت کے لٹریچر کا بالاستیعاب مطالعہ کیا اور بلاخوف وخطر اپنے خیالات اور نتائج دوسروں کے سامنے پیش کئے۔ انہی خوش بخت ہستیوں میں سے علامہ نیاز فتحپوری ہیں جن کو اپنی زندگی کے آخری دور میں جماعت کے لٹریچر کو پڑھنے کی توفیق ملی اور پھر قیام پاکستان کے بعد اپنے کراچی میں قیام کے دوران جماعت کی تعلیمی و تعمیری سرگرمیوں کو قریب سے دیکھنے کا موقع میسر آیا۔ اس کا اظہار انہوں نے زبانی اور قلمی لحاظ سے برملا فرمایا۔ آپ کی یہ بے لاگ تنقید لازمی طور پر تمام طالبان حق کیلئے مشعل راہ ثابت ہو سکتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو شخص تعصب سے بالا ہو کر جماعت کے لٹریچر اور اس الٰہی تحریک کے لائحہ عمل کا آزادانہ مطالعہ

کرے گا، وہ اسی نتیجہ پر پہنچے گا جہاں علامہ موصوف پہنچے۔ خدا تعالیٰ مرحوم کی اس خدمت کو قبول فرمائے اور اس کی بہترین جزا عطا فرمائے۔ آمین۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ علامہ موصوف کی وفات کے بعد ان کے جانشین ان کے مشن اور علمی کام کو کامیابی سے چلا رہے ہیں۔ لیکن علامہ نے احمدیہ جماعت اور حضرت بانی جماعتؑ کے متعلق جن خیالات کا اظہار اپنے معروف پرچہ نگار میں بڑی جرأت سے کیا تھا، اس کا تذکرہ پھر کسی رنگ میں نہیں کیا گیا بلکہ اس کو چھپانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اس سلسلہ میں خاکسار نے 1968ء میں ڈاکٹر فرمان فتحپوری سے کراچی میں ان کے در دولت پر حاضر ہو کر اس امر کی طرف توجہ دلائی تھی کہ علامہ صاحب کے علمی ورثہ میں سے ایک جماعت کے متعلق خیالات اور تاثرات ہیں۔ اس لئے انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ کبھی اس کا ذکر بھی ہو جانا چاہئے۔ مکرم ڈاکٹر صاحب نے اعتراف کیا کہ ان کو علامہ صاحب کے جماعت کے متعلق خیالات کا بخوبی علم ہے۔ لیکن ان کے ذکر سے ان کی اولاد کا مستقبل متاثر ہو سکتا ہے۔ خاکسار نے جواباً کہا کہ جب علامہ نے اس امر کی خود کبھی پرواہ نہیں کی تو آپ کو بھی ان کے نقش قدم پر چلنا چاہئے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس بارہ میں علامہ کی قلندرانہ شان نرالی ہے اور ایسی حق گوئی ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔

اگرچہ اس کتاب کی اشاعت کا ایک عرصہ سے مطالبہ تھا تاہم اس کی فوری اشاعت کی مؤثر تحریک مکرم ملک محمد صفی اللہ خان صاحب نے کی جو کینیڈا کے معروف داعی الی اللہ ہیں۔ اسی طرح اخی المکرم سردار عبد السمیع صاحب آف ماڈل ٹاؤن لاہور نے اس کی جلد اشاعت کو تبلیغی و تعلیمی لحاظ سے بہت مفید قرار دیا۔ جزاھم اللہ خیرا۔

15-05-2013   محمد اجمل شاہد

۞

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ عبدالمسیح الموعود

حرفِ آغاز

علاّمہ نیاز محمد خان جو علمی اورادبی دنیا میں نیاز فتحپوری کے نام سے معروف ہیں۔ پاک وہند کے مایہ ناز انشاء پرداز اور میدانِ تحریر کے عظیم شہسوار اور اردو ادب کے زبردست نقاد تسلیم کئے جاتے ہیں۔ آپ متعدد مذہبی، علمی اورادبی کتب کے مصنف اور مشہور رسالہ ماہنامہ ''نگار'' کے تقریباً نصف صدی تک ایڈیٹر رہے ہیں۔

علاّمہ نیاز فتحپوری نہ صرف بلند پایہ ادیب تھے بلکہ دینی علوم میں بھی کافی دستگاہ رکھتے تھے۔ ان کا مطالعہ بہت وسیع تھا اور ہر موضوع کی جزئیات اور تفصیلات پر بحث کرتے وقت ان کا قلم بے دھڑک چلتا تھا۔ وہ اپنے ذہنی خیالات کو واشگاف الفاظ میں بیان کر دینے کے عادی تھے اور اس بارہ میں کسی قسم کا خوف ان پر مسلّط نہ ہوتا تھا۔ چنانچہ علاّمہ ڈاکٹر ابواللّیث صدیقی صاحب جناب نیاز صاحب کی اس خصوصیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

> ''بعض لوگوں کو نیاز کے مسلک اور بعض معاملات میں ان کے خیالات اور معتقدات سے اتفاق نہ ہوگا۔ سرسید سے بھی بعض لوگوں کو اختلاف تھا لیکن اس کے باوجود تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ''نگار'' نے اور خاص طور پر نیاز صاحب نے آزادیٔ فکر ونظر اور آزادیٔ گفتار و قلم کی ایک صحت منداور جرأت مندانہ روایت کو پروان چڑھایا ہے۔ جس معاشرہ میں جہالت عام ہو، تعصب اور کوتاہ نظری پر لوگ فخر کرتے ہوں، روایت پرستی جہاں جزوِایمان سمجھی جائے وہاں ایسی روایت قائم کرنا اوراس پر ثابت قدم رہنا آسان نہیں۔'' (نگار ماہ مئی جون 1963ء)

1958ء میں علاّمہ موصوف کے مطالعے میں ایک ایسی جماعت کا کچھ لٹریچر آیا جو قول وعمل میں

مطابقت رکھتی تھی اور اکنافِ عالم میں اسلام کی اشاعت میں مصروف تھی۔ چنانچہ آپ نے اپنے تاثرات کا اظہار بڑی جرأت مندی کے ساتھ اپنے موقر جریدہ ''نگار'' میں کر دیا۔ اس بناء پر آپ کے خلاف ایک شدید ردّعمل پیدا ہوا اور ملک کے طول وعرض سے آپ کو خطوط موصول ہوئے جن میں اس جماعت کے خلاف بے سروپا الزامات عائد کر کے آپ کو بدظن کرنے کی کوشش کی گئی۔ لیکن آپ چونکہ خود اپنے ذاتی مطالعہ اور تجربہ سے افرادِ جماعت کے اخلاقی اور علمی اعلیٰ کردار کا اور بے پناہ خدمتِ اسلام کا مشاہدہ کر چکے تھے اس لئے آپ نے اس طوفان کی کچھ پرواہ نہ کی اور تمام مخالفین اور معترضین کو دندان شکن جواب دئے۔ یہ سلسلہ تقریباً تادمِ مرگ جاری رہا۔ اس تمام مواد کو جو مضامین اور مکتوبات و رسائل کے منتشر اوراق میں تھا اسے یکجائی صورت میں

''ملاحظاتِ نیاز فتحپوری''

کے نام سے مرتب کر کے شائع کیا جا رہا ہے۔ یقیناً اس کا یکجائی مطالعہ دلچسپ اور انتہائی معلومات افزا ہوگا۔

اس کتاب کے مواد کی فراہمی کے لئے مکرم صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب خاص طور پر شکریہ کے مستحق ہیں کیونکہ علامہ نیاز صاحب کے پاکستان ہجرت کرنے سے قبل کے مضامین اور خط وکتابت کا سلسلہ آپ ہی کے ذریعہ دستیاب ہوا۔ اس ضمن میں استاذی المکرم مولوی محمد حفیظ صاحب بقاپوری نے خاص تعاون کا ثبوت دیا اور اسے نقل کر کے خاکسار کو ارسال فرمایا۔ مکرم چوہدری احمد مختار صاحب امیر جماعت احمدیہ کراچی نے اس کتاب کی اشاعت میں ذاتی دلچسپی کا اظہار فرمایا۔ اسی طرح مکرم مولوی بشارت احمد صاحب اور مکرم رشید احمد صاحب ارشد نے اس کی ترتیب وتزئین میں امداد فرمائی۔ جزاھم اللہ احسن الجزاء۔

محمد اجمل شاہد — 10-08-1968

تعارف

محترم علامہ نیاز فتحپوری صاحب

علّامہ نیاز فتحپوری جن کا پیدائشی نام نیاز محمد خان تھا 1884ء میں نئی گھاٹ ضلع بارہ بنکی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد مکرم محمد امیر خاں کا آبائی وطن فتحپور تھا اور وہ محکمہ پولیس سے وابستہ تھے۔ وہ 1908ء میں رحلت فرما گئے۔

علّامہ موصوف کی ابتدائی تعلیم مدرسہ اسلامیہ فتحپور میں ہوئی۔ علوم اسلامی کے ساتھ ساتھ یہیں سے 1898ء میں انگریزی مڈل اور 1899ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا اور ملازمت کا سلسلہ شروع ہوا۔ ابتدائی دو سال محکمہ پولیس میں ملازمت کی اور اس کے بعد متعدد تعلیمی اداروں اور بعض دیگر آسامیوں سے منسلک رہے۔

علّامہ نیاز کو شروع سے ہی ادبی اور علمی ذوق خدا تعالیٰ نے ودیعت کیا تھا۔ چنانچہ 1910ء میں وہ اخبار ''زمیندار'' میں آ گئے اور اس طرح آپ کی صحافتی زندگی کا آغاز ہوا۔ 1911ء میں ہفت روزہ ''توحید'' کے مدیر معاون اور 1919ء میں روزنامہ ''رعیّت'' کے چیف ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ فروری 1922ء سے ماہنامہ ''نگار'' نکالا اور تادمِ واپسیں اس کے مدیرِ اعلیٰ رہے۔ ''نگار'' کا پرچہ اپنے متنوع ادبی اور معلوماتی مضامین کی بناء پر علمی حلقوں میں بہت مقبول ہوا اور باوجود شدید مخالفت کے جادۂ ترقی کی طرف رواں دواں رہا۔ ''نگار'' جولائی 1962ء تک لکھنؤ سے نکلتا رہا اس کے بعد آپ نے پاکستان میں ہجرت اختیار کر لی اور بدستور کراچی سے ''نگار'' کا اجراء ہو گیا۔

علّامہ نیاز فتحپوری صاحبِ طرز انشاء پرداز تھے اور متعدد کتب کے مصنف ہیں جن میں سے 'من و یزداں'، 'مذاہبِ عالم کا تقابلی مطالعہ'، 'مذہب اور انتقادیات' اور 'نگارستان' بہت معروف ہیں۔

۞

ملاحظات کا پس منظر

ملاحظات نیاز فتحپوری کے اس نئے ایڈیشن میں ایک قابل قدر اضافہ مکرم ڈاکٹر پرویز پروازی صاحب کا مختصر مگر جامع دیباچہ ہے جس سے قارئین کو 'ملاحظات' کے پس منظر کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔

گذشتہ صدی کے چھٹے عشرہ میں جب علامہ موصوف نے جماعت احمدیہ کے حق میں لکھنا شروع کیا تو علمی اور مذہبی دنیا میں ایک زلزلہ برپا ہو گیا۔ سب اس امر پر حیران تھے کہ جو شخص کل تک مذہب اور اسکے اجارہ داروں کے سخت خلاف تھا وہ کس طرح جماعت احمدیہ کی تعریف میں رطب اللسان ہے۔ کئی قسم کی قیاس آرئیاں کی گئیں۔ لیکن اصل بات یہ تھی کہ علامہ موصوف درحقیقت مذہب کے خلاف نہ تھے بلکہ ملاں کی اس دقیانوسی اور غیر عقلی تاویلات وتشریحات کے خلاف تھے جو ایک صاحب فکر و نظر شخص کو ہرگز مطمئن نہیں کر سکتیں۔ جونہی علامہ نیاز فتحپوری صاحب کو اسلام کی اصلی خوبصورت تصویر جماعت احمدیہ کی صورت میں نظر آئی، وہ اس کی تعریف کئے بغیر نہ رہ سکے۔

(محمد اجمل شاہد) 10-5-2013

۞

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

دیباچہ

برصغیر ہند میں بیسویں صدی کے جن ادبا اور علماء نے اپنے علم وفضل سے علمی اور ادبی دنیا میں نام پیدا کیا ان میں علامہ لیاقت علی خان نیاز فتحپوری کا نام نامی بہت نمایاں ہے۔ نیاز فتحپوری 1884ء میں پیدا ہوئے۔ مبدا فیض سے غیر معمولی قبل از وقت پختہ ہو جانے والی طبیعت لے کر آئے تھے اس لئے مکتبی تعلیم میں اپنے ہم سنوں سے بہت آگے تھے۔ اس نے انہیں آگے چل کر قدامت پرستی کا، خواہ وہ مذہب سے متعلق ہو یا کسی اور ذہنی رجعت پسندی سے، مخالف بنا دیا۔ مدرسہ میں جس استاد سے واسطہ پڑا وہ سراپا ہیبت و جبروت اور یکسر تقشّف وعبوس تھے۔ اس صورت حال نے ان کی ذہنیت میں مذہب و مذہبیت سے انحراف پیدا کر دیا۔ نیاز فتحپوری نے مدرسہ اسلامیہ میں عربی کے درس نظامی کا درس لیا اور گھر پر والد سے فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ فتحپور سے لکھنؤ منتقل ہو جانے کے بعد بھی ان کے مذہبی ماحول میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ خود لکھتے ہیں:

''میرا تجربہ مولویوں کے باب میں تلخ سے تلخ تر ہوتا گیا اور میں نے سمجھ لیا کہ اس طبقہ کی طرف میں کبھی مائل نہیں ہوسکتا۔ ان کی رعونت کا تقشّف، ان کا فرعونی انداز گفتگو، ان کا یہ عقیدہ کہ مذہب کو عقل سے کوئی لگاؤ نہیں، میں بار بار یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا تھا کہ اگر یہ واقعی مذہبی تعلیم کا نتیجہ ہے تو مذہب سے زیادہ نامعقول چیز دنیا میں اور کوئی نہیں ہوسکتی۔ اور اس سلسلہ میں مجھے مذاہب کے تقابلی مطالعہ کا شوق پیدا ہوا۔''

''جوں جوں زمانہ گزرتا گیا میں اس جماعت (مولویوں کی جماعت) اور اس جماعت کے بنائے ہوئے اسلام سے متنفر ہوتا گیا اور میرا یہ جذبہ 'نگار' کے اجراء کے

بعد اس حد تک شدید ہو گیا کہ آخر کار میں نے اس جماعت کے خلاف ایک محاذ قائم کر دیا۔ان کے عقائد اور ان کے اخلاق پر نکتہ چینی شروع کر دی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سارے ملک کے مولوی میرے دشمن ہو گئے اور مختلف مقامات سے میرے خلاف توہین مذہب کے مقدمات دائر کرنے کی تدبیریں شروع ہو گئیں۔ تقسیم ہند کے بعد جب مولویوں کا زور کچھ کم ہوا تو میرے خلاف ہنگامۂ دارو گیر کی نوعیت بدل گئی۔لیکن یہ فضا اب تک قائم ہے کہ مجھ ملحد و کافر کا ذکر جب کسی محفل میں آتا ہے تو ان کی پیشانیوں پر اب بھی بل پڑ جاتے ہیں۔مختصر یہ کہ اپنی زندگی میں سب سے زیادہ اثر میں نے جن کا لیا وہ مولویوں کی جماعت تھی۔لیکن یہ اثر بالکل منفی تھا۔یعنی میں ان سے متاثر تو ہوا لیکن یہ تاثر ایک نوع سے انکاری تاثر تھا۔اس لئے اس لحاظ سے میں ان کا شکر گزار ہوں کہ اگر ان سے مجھے واسطہ نہ پڑتا تو نہ میں اپنے مذہبی مطالعہ میں وسعت پیدا کر سکتا اور نہ مسائل مذہب میں صرفِ عقلی کا سلیقہ مجھ میں پیدا ہوتا۔‘‘

(نیاز فتحپوری کے خودنوشت حالات مندرجہ ’شخصیات وواقعات جنہوں نے مجھے متاثر کیا‘۔شائع کردہ: خدا بخش اورینٹل لائبریری، پٹنہ صفحہ 95و97)

مولانا نیاز فتحپوری کی یہ تحریر بہتر سال کی عمر کی تحریر ہے اور میں سمجھتا ہوں ملاحظات نیاز کے پس منظر کو سمجھنے کیلئے اس سے بہتر اور کوئی چیز نہیں۔ میں مولانا محمد اجمل شاہد صاحب کی مرتبہ ملاحظات نیاز کے دیباچہ کے طور پر اسے قارئین کی نذر کرتا ہوں۔

(پرویز پروازی)

احمدی جماعت

’’مرزا صاحب جھوٹے انسان نہیں تھے۔ وہ واقعی اپنے آپ کو مہدی موعود سمجھتے تھے اور یقیناً انہوں نے یہ دعویٰ ایسے زمانہ میں کیا جب قوم کی اصلاح و تنظیم کے لئے ایک ہادی و مرشد کی سخت ضرورت تھی۔‘‘

(نیاز فتحپوری)

''احمدی جماعت'' علامہ نیاز فتح پوری کا جماعت احمدیہ کے متعلق پہلا مضمون ہے جو آپ نے اپنے موقر جریدہ ماہنامہ ''نگار'' لکھنؤ کی اشاعت ماہِ اگست 1959ء میں سپردقلم فرمایا۔ آپ کا یہ شذرہ درحقیقت ان کی کتب کے مطالعہ کے بعد بصورتِ تبصرہ ہے جو آپ کو نظارت دعوت وتبلیغ قادیان کی طرف سے وقتاً فوقتاً بھجوائی جاتی رہیں۔ چنانچہ آپ اپنے مکتوب مؤرخہ 6رمئی بنام ناظر صاحب دعوت وتبلیغ قادیان تحریر فرماتے ہیں:

''میں تمام کتابوں پر علیحدہ علیحدہ تبصرہ نہیں کروں گا بلکہ ان کے مطالعہ کے بعد جس نتیجہ پر پہنچا ہوں اس کو ایک تفصیلی نوٹ کے ذریعہ سے ملاحظات میں ظاہر کردینا چاہتا ہوں''

چنانچہ ذیل کا مضمون تحریک احمدیت اور اس کے لٹریچر کے ناقدانہ مطالعہ کے بعد علامہ موصوف کا بےلاگ تبصرہ ہے۔

O

اب سے تقریباً 60 سال پہلے کی بات ہے جب مناظرہ کی ایک کتاب ''سرمہ چشم آریہ'' نگاہ سے گزری اور یہ تھا میرا اوّلین غائبانہ تعارف اس کتاب کے مصنّف جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی (بانی جماعت احمدیہ) سے۔ میرے والد کو اس فن سے خاص دلچسپی تھی اور یہ کتاب انہیں کے اشارہ سے مَیں نے پڑھی تھی۔ یہ زمانہ میری طالب علمی کا تھا۔ میں نے اس کا مطالعہ کیا لیکن یہ مطالعہ صرف کتاب ہی تک محدود رہا اور خود مرزا صاحب کی شخصیت یا ان کی مذہبی تبلیغ و اصلاح پر غور کرنے کا موقعہ مجھے نہ مل سکا۔ کیونکہ اس کی اہلیت و فرصت دونوں مجھے حاصل نہ تھیں۔ اوّل تو میں بہت کمسن تھا دوسرے درسِ نظامی کی ''قال اقول'' اور اس کی روایت پرستانہ گرفت سے کہاں چھٹکارا تھا کہ میں آزادی کے ساتھ کسی مسئلہ پر غور کر سکتا۔ تاہم یہ کتاب مرزا صاحب کی وسعتِ مطالعہ اور قوتِ استدلال کا بڑا گہرا اثر میرے ذہن و فکر پر چھوڑ گئی اور عرصہ تک میں اس سے متاثر رہا۔ مجھے نہیں معلوم کہ احمدی تحریک کا آغاز اس وقت تک ہو چکا تھا یا نہیں اور اگر ہو چکا تھا تو اس کے مقاصد و دعاوی کیا تھے۔ لیکن اس کے بعد ضرور کوئی نہ کوئی آواز اس جماعت کے متعلق میرے کانوں میں پڑ جاتی تھی اور وہ آواز یکسر مخالفانہ ہوتی تھی۔

زمانہ گزرتا گیا اور ختمِ تعلیم کے بعد بھی عرصہ تک میں احمدی تحریک سے بے خبر رہا۔ لیکن اس دوران میں بعض ایسی کتابیں ضرور میری نگاہ سے گزرتی رہیں جو اس تحریک کی مخالفت میں شائع ہوئیں اور یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ میں ان سے متاثر بھی ہوا۔ لیکن تاثر زیادہ تر سلبی قسم کا تھا ایجابی نہ تھا کیونکہ جو کچھ میں نے سنا وہ مخالفین کی زبان سے سنا۔ خود اس جماعت کے لٹریچر سے میں بالکل خالی الذہن تھا۔

ان کتابوں نے بعض عجیب وغریب باتیں میرے ذہن نشین کرادی تھیں۔مثلاً یہ جماعت اپنے سوا کسی کو مسلمان نہیں سمجھتی ، ان کی مسجدیں اور نمازیں جمہور سے علیحدہ ومختلف ہیں ، وہ غیر احمدی جماعتوں سے رشتۂ مصاہرت بھی قائم نہیں کرتے نیز یہ کہ مرزا صاحب ختم نبوت کے قائل نہ تھے۔ اپنے آپ کو مثیلِ مسیح یا مہدئ موعود کہتے تھے، وحی والہام کا مہبط بھی قرار دیتے تھے اور برطانوی حکومت کی حمایت حاصل کرنا ان کی تحریک کا حقیقی مقصد تھا۔

اس میں شک نہیں کہ ان میں سے بعض باتیں مجھے پسند نہیں آئیں اور میں اس تحریک کو بہ نظرِ استخفاف دیکھتا رہا۔لیکن جب اس کے بعد میں نے دائرۂ تقلید وروایات سے ہٹ کر غایتِ مذاہب کا مطالعہ شروع کیا اور انہیں علماءِ اسلام کے افعال وکردار کو سامنے رکھا جو اس تحریک کے سخت دشمن تھے تو میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ اگر احمدی جماعت گمراہ ہے تو غیر احمدی جماعتیں اور ان کے اکثر علماء (خواہ وہ سنی ہوں یا شیعہ، مقلّد ہوں یا غیر مقلّد ، اہلِ قرآن ہوں یا اہلِ حدیث) کہیں زیادہ گمراہ ہیں۔کیونکہ رسول اللہ کو خاتم النبیین ماننے کے بعد بھی وہ اسوۂ نبی کا اتنا احترام نہیں کرتے جتنا احمدی جماعت باوجود انکارِ ختمِ نبوت کے (حالانکہ یہ الزام صحیح نہیں) کرتی ہے۔

اگر اسلام کی صحیح روح محض بلندئ اخلاق وانسانیت پرستی ہے جس کا تعلق عملی زندگی سے ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ مسلمانوں کی ایک بے عمل جماعت کو تو ہم سچا مسلمان سمجھیں اور دوسری باعمل جماعت کو کافر وغیر مسلم قرار دیں۔محض اس لئے کہ اس کا بانی ومؤسّس کچھ ایسی باتیں کہتا ہے جو ناقابلِ قبول معلوم ہوتی ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ دنیا کا کوئی مذہب ایسا نہیں جو چند مخصوص شعائر ومعتقدات نہ رکھتا ہو لیکن حقیقی مقصود محض اصلاحِ اخلاق ہے اور عبادات ومعتقدات صرف ذریعہ ہیں تمدّن و معاشرت کی تنظیم اور اخوت وانسانیت کی ترویج واشاعت کا۔

پھر اس حقیقت کے پیشِ نظر آپ مسلم جمہور اور ان کے علماء کے حالات وکردار کا مطالعہ کریں

گے تو صورتِ حال بالکل ''واژ گوں'' نظر آئے گی۔ کیونکہ ان کے نزدیک اسلام کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ چند مابعد الطبیعیاتی عقائد کو تسلیم کر کے رسمی عبادت کر لی جائے اور ہیئت اجتماعی کے مسائل خیر و فلاح کو خدا پر چھوڑ دیا جائے۔ حالانکہ خدا نے یہ چیز خود انسان پر چھوڑ دی تھی۔

وَاَنۡ لَّيۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى

اس سلسلہ میں جب مَیں نے مسلمانوں کی دوسری جماعتوں کا مطالعہ کیا تو عملی زندگی اور اصلاحی جدوجہد کے لحاظ سے کئی جماعتیں سامنے آئیں۔ بوہرہ، میمن، خوجہ، بہائی اور احمدی۔ ان میں سے اوّل الذکر تین جماعتوں کو میں نے نظر انداز کر دیا۔ کیونکہ وہ ایک مخصوص دائرہ کے اندر محدود ہیں جس میں کوئی غیر شخص داخل نہیں ہوسکتا۔ بہائیوں[1] کا دائرہ عمل بے شک زیادہ وسیع ہے اور عقائد سے قطع نظر اخلاقی حیثیت سے اس کی وسعتِ نظر مجھے پسند آئی لیکن چونکہ یہ عجمی تحریک ہے اور سرزمین ہند سے اس کا کوئی تعلق نہیں اس لئے اس کی کامیابی یہاں مجھے بہت مستبعد نظر آئی۔ اب رہ گئی تھی صرف احمدی جماعت۔ سو بے اختیار میرا جی چاہا کہ ان کی زندگی کا قریب تر مطالعہ کرنے کی غرض سے خود قادیان جاؤں۔ لیکن افسوس ہے کہ یہ ارادہ فی الحال پورا نہ ہوسکا (ممکن ہے کبھی پورا ہو جائے) اور ان کا لٹریچر فراہم کر کے ان کا مطالعہ شروع کیا۔

پھر میں تو یہ نہیں کہہ سکتا کہ از اوّل تا آخر میں نے اس کا سارا لٹریچر پڑھ لیا ہے لیکن جتنا کچھ میسر آیا وہ بھی اس نتیجہ تک پہنچنے اور صحیح رائے قائم کرنے کے لئے کافی تھا۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے ان کے معتقدات میرے سامنے آئے اور ان میں کوئی بات مجھے ایسی نظر نہ آئی جو جمہور مسلم کے معتقدات کے منافی ہو۔ یعنی مسلمان ہونے کی جو شرطیں دوسری مسلمان جماعتوں میں ضروری قرار دی جاتی ہیں وہی ان کے یہاں بھی ہیں اور اگر ان کے اس عقیدہ کو نظر انداز کر دیا جائے کہ مرزا غلام

[1] بہائیوں کا اصل لٹریچر پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ اہلِ بہاء کی اخلاقی و دینی حیثیت کیا ہے، ان کے عقائد کا کیا حال ہے۔ بہائیت تو توحید پرست انسان کو قبر پرستی پر لا گراتی ہے۔ ان میں وسعت نظر نہیں بلکہ اباحت پائی جاتی ہے۔ (ناشر)

احمد مثیلِ مسیح یا مہدی موعود تھے تو تمام عقائد شعائر میں یکساں ہیں۔

میں نے ان کی تفاسیر دیکھیں، ان کا استناد بالا حادیث دیکھا، ان کی کتب تاریخ وسیر کا مطالعہ کیا لیکن ان میں کوئی بات ایسی نظر نہیں آئی جو مسلمۂ جمہور کے خلاف ہو۔ یہاں تک کہ انکارِ ختمِ نبوت کا الزام بھی مجھے بالکل غلط نظر آیا۔

رہا دعویٰ مہدویت سو اس سے انکار کی بھی کوئی وجہ نظر نہیں آئی۔ جبکہ خود کلامِ مجید سے ہر زمانہ اور ہر قوم میں کسی نہ کسی ہادی و مصلح کا پیدا ہونا ثابت ہے اور میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ مرزا صاحب جھوٹے انسان نہیں تھے۔ وہ واقعی اپنے آپ کو مہدی موعود سمجھتے تھے اور یقینا یہ دعویٰ انہوں نے ایسے زمانہ میں کیا جب قوم کی اصلاح تنظیم کے لئے ایک ہادی و مرشد کی سخت ضرورت تھی۔

علاوہ اس کے دوسرا معیار جس سے ہم کسی کی صداقت کو جان سکتے ہیں نتیجہ عمل ہے۔ سو اس بات میں احمدی جماعت کی کامیابیاں اس درجہ واضح و روشن ہیں کہ اس سے ان کے مخالفین بھی انکار کی جرأت نہیں کر سکتے۔ اس وقت دنیا کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جہاں ان کی تبلیغی جماعتیں اپنے کام میں مصروف نہ ہوں اور انہوں نے خاص عزت و وقار نہ حاصل کر لیا ہو۔ پھر کیا آپ سمجھتے ہیں کہ یہ کامیابیاں بغیر انتہائی خلوص و صداقت کے آسانی سے حاصل ہو سکتی تھیں؟ کیا یہ جذبۂ خلوص و صداقت کسی جماعت میں پیدا ہو سکتا ہے اگر اسے اپنے ہادی و مرشد کی صداقت پر یقین نہ ہو؟ اور کیا وہ ہادی و مرشد اتنی مخلص جماعت پیدا کر سکتا تھا اگر وہ خود اپنی جگہ صادق و مخلص نہ ہوتا؟

بہرحال اس سے انکار ممکن نہیں کہ مرزا صاحب بڑے مخلص انسان تھے اور یہ محض ان کے خلوص کا نتیجہ ہے کہ مسلمانوں کی بے عمل جماعت میں عملی زندگی کا احساس پیدا ہوا اور ایک مستقل حقیقت بن گیا۔

''دمید دانہ و بالید و آشیانہ شد''

(از ''نگار'' ماہِ اگست 1959ء صفحہ 2و3و4)

۱

اگست کی اشاعت میں ''احمدی جماعت'' کے متعلق میں نے جو کچھ لکھا تھا اسے بعض نے پسند کیا اور بعض نے ناپسند۔ پسند کرنے والوں کا ذکر نہیں لیکن جنہوں نے ناپسند کیا ان کا شکر گزار ہوں کیونکہ اس سلسلے میں بعض ایسی باتیں میرے سامنے آگئیں جن پر شائد میں گفتگو نہ کرتا اگر وہ معرضِ بحث قرار نہ پاتیں حالانکہ ان پر بحث کرنا کم ضروری نہ تھا۔ جب سوادِ اعظم کی طرف سے کسی جماعت کی مخالفت کی جاتی ہے تو سب سے پہلا اعتراض اس کے معتقدات پر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ احمدی جماعت کے خلاف جو تحریریں مجھے ملی ہیں ان میں بھی احمدی جماعت کے معتقدات ہی کو سامنے رکھا گیا۔

یقیناً یہ بحث ایسی نہیں کہ اس کو نظر انداز کر دیا جائے۔ لیکن اس سلسلہ میں کسی مخصوص جماعت کے معتقدات پر گفتگو کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ ''نفسِ اعتقاد'' کی حقیقت اور غایت دونوں کو سمجھ لیا جائے۔ ہوسکتا ہے کہ بعض ایس باتیں جن کو ہم مذہب کی بنیاد سمجھتے ہیں محض فروع ہوں اور جن کو فروع جانتے ہوں وہی اساس و بنیاد ہوں۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ احمدی جماعت کے مخالفین ایسی چیز کو نظر انداز کر جاتے ہیں۔

اس وقت زیادہ تفصیل کا موقع نہیں لیکن مختصراً یہ ظاہر کر دینا ضروری ہے کہ معتقدات کے دو حصے ہوا کرتے ہیں۔ ایک وہ جن کا طبعاً ماننا ضروری ہے اور دوسرے وہ جن کو ضرورتاً مان لینا چاہئے خواہ عقل انہیں باور کرے یا نہ کرے۔ اور ان دونوں کی صحت کا معیار بالکل جدا جدا ہے۔ اُس کا معیار یہ ہے کہ ''نہ مانیں تو کیا کریں'' اور اِس کا یہ کہ ''نہ مانیں تو کچھ نہ کرسکیں'' اور انسانی زندگی پر یہ دونوں باتیں دو مختلف زاویوں سے اثر انداز ہوتی ہیں۔

پھر اگر اس سلسلہ میں اس حقیقت کو بھی سامنے رکھا جائے کہ ہمارے معتقدات چاہے خراب ہوں یا کچھ اور لیکن حیاتِ انسانی یقینا خواب نہیں ہے۔ زندگی اور زندگی کا تصور محض، ان دونوں میں بڑا فرق ہے اور جو لوگ اس فرق کو محسوس نہیں کرتے اور پھر بھی وہ اپنے کو زندہ سمجھتے ہیں ان کے متعلق اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ

ع ہیں خواب میں ہنوز جو جاگے ہیں خواب میں

اس بنیادی اجمال کی فروعی تفصیل بہت زیادہ ہے اور میں کوشش کروں گا کہ احمدی جماعت کے باب میں آئندہ اسی تفصیل سے کام لے کر اپنے صحیح تاثرات پیش کر سکوں۔

(منقول از ''نگار'' ستمبر 1959ء صفحہ 4و5)

غبار یاور صاحب کراچی کا خط

اور

اس کا جواب

''اس وقت تمام ان جماعتوں میں جو اپنے آپ کو اسلام سے منسوب کرتی ہیں صرف ایک جماعت ایسی ہے جو بانیٔ اسلام کی متعین کی ہوئی شاہراہِ زندگی پر پوری استقامت کے ساتھ گامزن ہے۔ اور گو اس کا احساس تنہا مجھی کو نہیں بلکہ احمدی جماعت کے مخالفین کو بھی ہے لیکن فرق یہ ہے کہ مجھے اس کے اظہار میں باک نہیں اور ان کی رعونتِ نفس یا احساسِ کمتری اس اعتراف سے باز رکھتا ہے''

(نیاز فتحپوری)

علّامہ نیاز فتحپوری کا مضمون ''احمدی جماعت'' شائع ہونے کی دیر تھی کہ آپ کے خلاف پاک و ہند کے مختلف لوگوں کی طرف سے ایک طوفان برپا کر دیا گیا اور متعدد خطوط تحریر کئے گئے جن میں جماعت کے خلاف بے سروپا الزامات کی بھرمار تھی۔ لیکن علّامہ موصوف نے اس طوفان کا بے دھڑک مقابلہ کیا اور تمام اعتراضات کے دندان شکن جوابات تحریر فرمائے۔ آپ اپنے ایک خط میں اپنے عزم کا یوں اظہار فرماتے ہیں:

> ''اگست کے نوٹ پڑھ کر متعدد خطوط میرے پاس آئے اور سلسلہ بند نہیں ہوا...... اب تو میں نے اس مسئلہ پر قلم اٹھایا ہے اور اس وقت تک خاموش نہ ہوں گا جب تک میں لوگوں کو یقین نہ دلا لوں کہ جو کچھ میں نے جس نقطۂ نظر سے لکھا ہے وہ قطعی اور اذعانی چیز ہے۔''

ان خطوط میں سے غبار یاور صاحب کراچی کے مفصل خط کے ضروری اقتباسات کو آپ نے ''نگار'' کے ماہ نومبر 1959ء کے شمارہ میں ''باب المراسلہ والمناظرہ'' میں ''احمدی جماعت'' کے عنوان سے شروع میں درج کیا اور بعد میں تمام اعتراضات کے محققانہ اور مدلّل جواب تحریر فرمائے۔

(مرتب)

(غبار یاور کراچی کا خط)

حضرت محترم!

قادیانیت کے بارے میں جو کچھ آپ نے لکھا وہ بظاہر صحیح اور بہ باطن غلط ہے۔ان لوگوں نے انگریزی زبان میں جتنا لٹریچر شائع کیا ہے وہ نہایت عمدہ اور پڑھنے کے قابل ہے لیکن دوسرے ملکوں خصوصاً اسلامی ملکوں میں یہ لوگ اختلافی مسائل کو بالکل نہیں ابھارتے بلکہ عام مسلمانوں ہی کے خیالات پیش کرتے ہیں۔

ان لوگوں نے ایک تحریک یہ بھی چلائی تھی کہ کعبہ سے حجرِ اسود کا ٹکڑا لا کر وہاں نصب کیا جائے۔لیکن اس شخص کو جس نے یہ حرکت کی سعودی حکومت نے قتل کروا دیا تھا۔پنجاب میں ان لوگوں نے اس طرح یہ تحریک چلائی تھی جیسے قرامطہ اور باطنیوں کی۔ایک طوفانِ قتل و غارت گری اور ہنگامہ مچا رکھا تھا۔مگر ظاہر ہے کہ وہ طریقہ کارگر نہ ہوا اور ختم ہو گیا۔

پاکستان میں ان کا مستقر ربوہ ہے۔یہاں پر قصرِ نبوت،قصرِ خلافت،قصرِ امّ اقدس اور جنت و دوزخ بھی ہے اور جنسی عیاشی کا سلسلہ بھی موجود ہے جیسا قدیم عبادت گاہوں میں ہوتا تھا۔یہ باتیں بڑی تفصیل چاہتی ہیں۔آپ نے جوان کی کامیابیوں کا ذکر کیا ہے بہ بظاہر وہ کامیابیاں نظر آتی ہیں لیکن یہ بھی تو دیکھئے کہ ان کے اثرات نے کتنا فاسد مادہ پیدا کر دیا ہے۔ان کے پاس اچھے وسائل ہیں،تنظیم مضبوط ہے۔ظاہر ہے کہ ان کے نتائج بھی ایسے ہی ہوں گے۔

پاکستان آنے کے بعد میں نے ان کا وہ لٹریچر بھی پڑھا جو اُردو میں تھا اور جس میں وہ اپنے اصلی رُوپ میں ظاہر ہوئے ہیں۔مرزا صاحب مرحوم بڑے قابل انسان تھے۔انیسویں صدی تک تو وہ بڑی معقول باتیں لکھتے رہے لیکن یکا یک ان کا دماغی توازن بگڑا اور نہ جانے کیوں ہذیان بکنے

لگے۔ میرا خیال ہے کہ ان کی زندگی کے آخری دس بارہ سالوں کی تحریروں نے ان کی علمیت اور قابلیت کو سخت نقصان پہنچایا۔ پاکستان میں آج کل قادیانی مشن کا یہ طریقہ ہوگیا ہے کہ ان کی ابتدائی تحریروں کو بڑے جوش وخروش کے ساتھ منظرِ عام پر لاکر انہیں ایک عظیم فلسفی کی حیثیت سے پیش کیا جائے۔

مرزا صاحب شاعر بھی تھے۔ شاعری کے لوازم یعنی ذوق وجدان سے بالکل بے بہرہ تھے۔ مگر ان کے کلام کا اس نظر سے مطالعہ کرنا چاہئے کہ اس میں مرزا صاحب نے اپنے نبی اور مسیح ہونے کا نہایت مُضحک نقشہ کھینچا ہے۔

دراصل اس جماعت میں پڑھے لکھے اور بڑے بڑے لوگ شامل ہیں۔ ان کا اندازِ تحریر نہایت عمدہ اور مدلّل اور مؤثر ہوتا ہے۔ لہٰذہ ان لوگوں کو متاثر کرتا ہے جو خود بھی اپنا نقطۂ نظر مولویانہ نہیں رکھتے۔ میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ علماؤں[1] کی طرف سے ان پر جو اعتراضات کئے گئے وہ نہایت سطحی قسم کے تھے۔ اس میں قصور علماء یا ان کے اسلام کا نہیں ہے بلکہ اس نظریت کا ہے جس کو یہ بیچارے آج تک طوق کی طرح اپنے کاندھے پر رکھے ہوئے ہیں۔ قادیانی عقائد کو اگر جمہور مسلمانوں کے لئے درست بھی تسلیم کرلیا جائے تو ختم نبوت کے کے مسئلہ کو کسی قیمت پر نظرانداز نہیں کیا جاسکتا......

یہ لوگ اس سے انکار تو نہیں کرتے لیکن ایسی عجیب وغریب تاویلیں کرتے ہیں جنہیں عقل قبول نہیں کرتی (اس کا یہ مطلب نہیں کہ جو تاویلیں ہمارے مولوی کرتے ہیں وہ سب ماننے کے لائق ہیں) آج کل اس بارے میں قادیانی حلقوں کی جانب سے جو کچھ لکھا جارہا ہے اس کی نوعیت زیادہ تر علمی اور فلسفیانہ ہے اور جس کی صورت تاویلی اور تنزیلی دونوں ہے۔ قرآن کے حوالے دیتے ہیں۔ لفظوں کے عجیب عجیب معنی بیان کرتے ہیں۔ صحابہ اور صوفیاء کے اقوال اور احادیث پیش کر کے

[1] نقل بمطابق اصل ہے (مرتب)

اپنے دلائل کو مؤثر بناتے ہیں اور یہ عمل اب اس حد تک ترقی کر گیا ہے کہ مرزا صاحب کے انفرادی اور تحریری خیالات کی نفی ہونے لگی ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ جماعت مرزا صاحب کی رائے کے برخلاف استدلال اور معقولیت کا ساتھ دے رہی ہے۔ خود مرزا صاحب نے اقرار کے پردے میں جس طرح انکار کیا ہے اس کا مفصّل حال تو ان کی تحریروں میں موجود ہے البتہ اس کا لُبّ لباب پیش کئے دیتا ہوں:

1-اللہ نے نبوت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ختم کر دی۔

2-اب اگر نبوت ملے گی تو محمد سے (اللہ سے نہیں)؟

3-نمبر 1 کے مطابق محمد آخری نبی ہیں۔

4-نمبر 2 کے مطابق محمد خاتم انبیاء ہیں۔

5-نمبر 4 کے مطابق محمد نے انبیاء کی صداقتوں پر مہر ثبت کی۔

6-صرف امتِ محمدی نبوت کی حق دار ہے۔

7-مَیں (یعنی مرزا صاحب) چونکہ امتی ہوں لہٰذا نبی ہوں۔

اس کے علاوہ ناسخ و منسوخ، وفاتِ عیسیٰ، ظہور مہدی اور حقیقتِ تصوّف کے مسئلے بھی ایسے نہیں ہیں جنہیں سرسری سمجھا جائے۔

میں نے آج تک کبھی اس قسم کی بحثوں میں حصہ نہیں لیا اور اگر کہیں اور سے کسی مذہبی حلقے سے یہ آواز اٹھتی تو توجہ نہ دیتا لیکن چونکہ یہ گفتگو آپ نے ''نگار'' میں شروع کی جو غالباً اس کے شایانِ شان نہیں لہٰذا میں نے اپنی ذاتی رائے لکھنا ضروری خیال کیا۔ ممکن ہے غلط ہو یا صحیح، اس کا فیصلہ آپ کے ذمہ ہے۔ آپ نے اب تک جو کچھ لکھا اور چھاپا ہے غالباً وہ سب میری نظر سے گزرا ہے لیکن ایسی غیر ذمہ دارانہ بات جس میں حقیقت کے صرف ایک سبک پہلو کو الجھایا گیا ہے یاد نہیں پڑتا کہ کہیں اور بھی دیکھی ہو۔

مجھے احساس ہے کہ میں بڑی قطعیت سے گفتگو کر رہا ہوں لیکن اختلاف کو محض اختلاف سمجھتے ہوئے غالباً اس کا کوئی خیال نہ کریں گے بلکہ قدر کریں گے۔

(نگار)

میں نے چاہا تھا کہ آپ کے خط کا جواب خط ہی کے ذریعہ سے دے کر خاموش ہو رہوں۔ لیکن اس خیال سے کہ ممکن ہے کہ آپ ہی کی طرح بعض اور اصحاب بھی کچھ ایسے ہی شبہات اپنے دل میں رکھتے ہوں ''نگار'' کے ذریعہ سے گفتگو کرنا زیادہ مناسب نظر آیا۔

سب سے پہلے مجھے یہ حقیقت واضح کر دینا چاہئے کہ احمدی جماعت کے متعلق میں نے جو خیال ظاہر کیا ہے اس کا خود میرے عقیدہ سے کوئی واسطہ نہیں۔ کیونکہ جس حد تک اصطلاحی ایمان کی تفصیل اور اس کے مابعد الطبیعیاتی عقائد کا تعلق ہے (جس میں حشر و نشر، دوزخ و جنت، وجود ملائکہ، بقاء روح و معجزہ وغیرہ کا مادی تصوّر شامل ہے) میرا مسلک کچھ اور ہے۔ میں ان میں سے کسی چیز کے مادی و محسوس وجود کا قائل نہیں۔ لیکن میرا یہ انکار صرف اس لئے ہے کہ ان میں سے کوئی بات اب تک میری سمجھ میں نہیں آئی اور نہ میرے نزدیک خدائے واحد کی صحیح عظمت کا تصور اس وقت تک ممکن ہے جب تک ان تعینات مادی سے بلند ہو کر اس کی کبریائی پر غور نہ کیا جائے اور پھر یوں بھی طاعت و عبادت کے لئے ''مے وانگبین'' کی لاگ مجھے پسند نہیں۔

تاہم میرا یہ انکار قطعاً غیر جارحانہ ہے۔ یعنی اگر کوئی جماعت بلندیٔ اخلاق کے حصول کے لئے ان تمام باتوں کا صحیح تسلیم کرنا ضروری سمجھتی ہے تو مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں، وہ شوق سے اپنے عقائد پر قائم رہے۔ بشرطیکہ ان عقائد کے مقابلہ میں وہ اصلاحِ اعمال و کردار کو ثانوی حیثیت نہ دے اور صرف ان عقائد یا ظاہری طاعت و عبادت ہی کو مذہب کا تنہا نصب العین نہ قرار دے جیسا کہ آج کل عام طور پر دیکھا جا رہا ہے۔

علماء اسلام سے میرے اختلاف کا باعث یہی ہے کہ وہ اسلام کی رسمی طاعت و عبادت کی سطح

سے اوپر لے جانا ضروری نہیں سمجھتے اور مَیں طاعت وعبادت کو ثانوی درجہ دے کر محض تزکیۂ نفس و اعمال کو اسلام کا حقیقی مقصود قرار دیتا ہوں ۔ ممکن ہے آپ یہ خیال فرمائیں کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ محض ظن وتخمین ہے لیکن میں آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ یہ بالکل حقیقت ہے ۔ کیونکہ میں نے ایک بار مختلف جماعتوں کے علماء سے بھی استفسار کیا تھا کہ اصل چیز عبادت ہے یا بلندئ اخلاق ہے، تو سوا چند احمدی علماء کے سب نے یہی جواب دیا تھا کہ اصل چیز شعائرِ اسلام کی پابندی ہے اور محض اخلاق کی پاکیزگی موجبِ نجات نہیں ہوسکتی ۔

پھر ظاہر ہے کہ وہ شخص جو مذہب کا اتنا وسیع مفہوم اپنے سامنے رکھتا ہو وہ اگر کسی مذہبی جماعت کی بابت کوئی رائے قائم کرے گا تو اس کے سامنے سوال صرف اس کی عملی زندگی کا ہوگا نہ یہ کہ اس کے عقائد کیا ہیں اور اس کی طاعت وعبادت کے طریقے کیا؟

اور یہی وہ چیز تھی جس نے مجھے احمدی جماعت کی تعریف پر مجبور کر دیا ۔ کیونکہ اس وقت تمام ان جماعتوں میں سے جو اپنے آپ کو اسلام سے منسوب کرتی ہیں صرف یہی ایک جماعت ایسی ہے جو بانئ اسلام کی متعین کی ہوئی شاہراہِ زندگی پر پوری استقامت کے ساتھ گامزن ہے اور گو اس کا احساس تنہا مجھی کو نہیں بلکہ احمدی جماعت کے مخالفین کو بھی ہے لیکن یہ فرق ہے کہ مجھے اس کے اظہار میں باک نہیں اور ان کی رعونتِ نفس یا احساسِ کمتری اس اعتراف سے باز رکھتا ہے ۔

بات بڑھتی جا رہی ہے اور غالباً بے محل نہ ہوگا اور اس سلسلہ میں یہ بھی ظاہر کردوں کہ گزشتہ نصف صدی کے عرصہ میں جو زیادہ تر مولویوں ہی سے جنگ کرنے میں گزرا ہے میرا خیال کیوں احمدی جماعت کی طرف منتقل نہیں ہوا ۔ اور اب وہ کونسی نئی بات پیدا ہوگئی جس نے مجھے دفعتاً اس طرف متوجہ کر دیا؟

اس کا سبب یہ ہے کہ میں اس عرصہ میں صرف اس بات پر غور کرتا رہا کہ مسلم جماعت کیوں اس قدر اقتصادی زبوں حالی اور اخلاقی پستی میں مبتلا ہے ۔ وہی قرآن جو صحابہ کے زمانہ میں تھا اب بھی

جوں کا توں موجود ہے ۔ وہی تعلیماتِ اسلامی جس کی بدولت عرب کے بادیہ نشینوں نے اکاسرہ و قیاصرہ کی عظیم الشان حکومتوں کا تختہ اُلٹا کر رکھ دیا تھا اب بھی علیٰ حالہا قائم ہے ۔لیکن آج مسلمان وہ نہیں رہے جو پہلے تھے ۔ یقیناً یہ رجعتِ قہقری ہم کو پیروانِ اسلام ہی میں نہیں بلکہ دوسرے مذاہب وادیان کی تاریخ میں بھی نظر آتی ہے اور جب ہم ان کے عروج وزوال کے اسباب پر غور کرتے ہیں تو صرف ایک ہی نتیجہ پر پہنچتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ دنیا میں انقلابات کتابوں نے نہیں بلکہ ہمیشہ شخصیتوں نے پیدا کئے ہیں ۔یعنی جب تک کوئی اُبھارنے والی شخصیت موجود رہی تو قوم بھی ترقی کرتی رہی اور جب وہ شخصیت فنا ہوگئی تو قومی ترقی بھی رُک گئی اور رفتہ رفتہ پھر لوٹ کر اسی نقطہ پر پہنچ گئی جہاں سے آگے بڑھی تھی ۔

اس لئے اگر مسلمان اس وقت تباہ و برباد ہیں تو اس کا سبب صرف یہ ہے کہ ان میں اب کوئی شخصیت ایسی موجود نہیں جو عملاً ان کو تعلیمات قرآنی کی طرف لے جائے ۔حالانکہ ہمارے علماء و اکابرِ دین ہی میں سے کسی ایسی شخصیت کو اُبھرنا چاہئے تھا لیکن نہیں اُبھری ۔

یہ تجربہ اس میں شک نہیں میرے لئے بڑا دردناک تھا اور اس خیال سے کہ ممکن ہے کوئی تحریک ہمارے علماء میں پھر زندگی پیدا کردے، میں نے بعض عملی پروگرام بھی ان کے سامنے پیش کئے ۔ لیکن افسوس ہے کہ اس تن پرور اور عیش کوش جماعت نے مطلق توجہ نہیں کی اور جب ان کی طرف سے مایوس ہو کر میں نے دوسری جماعتوں کے حالات کی جستجو کی تو آخر کار نگاہ جا کر ٹھہری احمدی جماعت پر، جیسا کہ میں اگست کے ''نگار'' میں ظاہر کر چکا ہوں ۔اس جماعت کے متعلق میں کوئی اچھا خیال نہیں رکھتا تھا۔لیکن جب میں نے اس کے مؤسّس و بانی کی زندگی ،اس کی تعلیمات اور تنظیم پر غور کیا تو ماننا پڑا کہ اس وقت صرف یہی ایک جماعت ایسی ہے جس نے اس نقطہ کو سمجھا کہ اصل ایمان محض اقرار باللّسان نہیں بلکہ اقرار بالعمل ہے ۔اور اپنی مضبوط تنظیم اور استقامتِ کردار سے زندگی کی راہیں بدل دیں، ذہنی اقدار بدل دیئے ،زاویۂ فکر ونظر بدل دیا اور مسلمانوں کو پھر اس

راہ پر لگا دیا جو بانیٔ اسلام نے متعین کی تھی۔

پھر یہ بات ایسی نہیں جس پر کسی منطقی حجت لانے کی ضرورت ہو۔ خود غور کیجئے کہ آپ کی اور احمدی جماعت کی زندگی میں کتنا نمایاں فرق ہے۔ آپ کے یہاں زندگی نام ہے منتشر انفرادی تشخّص کا اور ان کے یہاں مرکزی ہیٔت اجتماعی کا۔ آپ کی اجتماعیت افراد میں بٹ کر ''ھباءً منثوراً'' ہو چکی ہے اور ان کے یہاں تمام افراد چمٹ کر صرف ایک ''حبل المتین'' سے وابستہ نظر آتے ہیں۔ آپ کا شیرازہ بکھر گیا ہے اور وہ اس بکھرے ہوئے شیرازہ کے اوراق کو اکٹھا کر رہے ہیں۔

ان کی سادہ معاشرت، ان کی سادہ زندگی، ان کا جذبۂ خلوص و صداقت، احساسِ ایثار و قربانی، پاسِ عہد، پابندیٔ شریعت اور سب سے زیادہ ان کی عملی استقامت اور شدائد کے مقابلہ میں فلسفیانہ صبر و ضبط۔ یہ ہیں احمدی جماعت کے وہ بنیادی عناصر و اجزاء جن پر ان کے قصرِ اجتماعیت کی تعمیر ہوئی ہے اور جن سے اعراض کر کے دوسری مسلم جماعتیں اپنے وجود کو ختم کر چکی ہیں۔

پھر آپ ان حقائق کو تو سامنے رکھتے نہیں اور مجھے الجھانا چاہتے ہیں عقائدی فروع و زوائد میں، جو میرے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔

تو از آتش دخاں بینی ، من آتش از دخاں بینم

آپ کو اس آگ میں صرف دھواں ہی دھواں نظر آتا ہے اور مجھے اس دھوئیں میں بھی آگ ہی آگ نظر آتی ہے۔

و شتان ما بین الخلّ و الخمر

بانیٔ احمدیت کے متعلق میرا مطالعہ ہنوز تشنۂ تکمیل ہے اور میں نہیں کہہ سکتا کہ مرزا صاحب کی سیرت یا ان کی تعلیمات، ان کی دعوتِ اسلام، ان کے تفہیماتِ قرآنیہ، ان کے عقائدی نظریے اور ان کے تمام عملی کارناموں کو سمجھنے کے لئے کتنا زمانہ درکار ہوگا۔ کیونکہ ان کی وسعت و ہمہ گیری کا مطالعہ ''قلزم آشامی'' چاہتا ہے اور یہ شاید میرے بس کی بات نہیں۔ تاہم اگر اس وقت تک کے تمام

تاثرات کو اختصار کے ساتھ بیان کرنے پر مجھے مجبور کیا جائے تو میں بِلا تکلّف کہہ دوں گا کہ وہ بڑے غیر معمولی عزم واستقلال، صاحبِ فراست وبصیرت انسان تھا جو ایک خاص باطنی قوت اپنے ساتھ لایا تھا اور اس کا دعویٰ تجدید ومہدویت کوئی پادرہوا بات نہ تھی۔

اس سلسلہ میں آپ مجھ سے ''کیوں اور کیا'' کا سوال نہ کیجئے کیونکہ یہ گفتگو بہت تفصیل چاہتی ہے اور اس وقت موضوع کچھ اور ہے۔ تاہم آپ کے خط کے پیش نظر مجھے اس قدر ضرور عرض کرنا ہے کہ آپ نے جو الزامات اس جماعت پر قائم کئے ہیں ان میں سے اکثر بالکل لغو وغلط ہیں اور بعض مطلقاً آپ کے مزعومات سے تعلق رکھتے ہیں جن کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں۔

1۔۔۔ آپ کا یہ خیال کہ احمدی جماعت اسلامی ممالک میں اپنے حقیقی عقائد پیش نہیں کرتی، صحیح نہیں۔ اوّل تو آپ کو یہ سمجھنا چاہئے کہ اگر وہ غیر ممالک میں انہی عقائد کی تبلیغ کرتے جو عام مسلمانوں کے ہیں تو یقیناً ان سے یہ سوال کیا جاتا کہ جب آپ کے عقائد بھی وہی ہیں جو مسلم جمہور کے ہیں تو پھر ایک علیحدہ جماعت بنانے کی کیا ضرورت تھی؟ لیکن آج تک کسی نے یہ سوال ان سے نہیں کیا۔ ان کے جتنے اخبارات ورسائل دوسری زبانوں میں شائع ہوتے ہیں ان کے مطالعہ سے یہ بات ثابت ہے کہ وہ اپنے عقائد کو کبھی نہیں چھپاتے اور علی الاعلان وہی کہتے ہیں جسے وہ حق سمجھتے ہیں۔ یہاں تک کہ کہ خود بانیٔ احمدیت کی کتابوں کے ترجمے بھی غیر زبانوں میں اس غرض سے شائع کئے گئے کہ احمدیت کے صحیح مشن سے دنیا آگاہ ہو جائے۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ افغانستان میں ایک مبلّغ کو تہِ تیغ کیا گیا محض اس جرم میں کہ وہ احمدی عقائد کی تبلیغ میں مصروف تھا اور دمشق میں بھی دوسرے مبلّغ پر قاتلانہ حملہ کیا گیا۔ جب 1924ء میں بانیٔ احمدیت[1] ویمبلے کی مذہبی کانفرنس میں شرکت کی غرض سے لندن گئے تو جاتے ہوئے دمشق میں بھی قیام کیا اور وہاں کے علماء سے بھی انہیں مخصوص عقائد کے پیش نظر مناظرہ ہوا۔ ان حالات میں آپ کا یہ ارشاد کہ غیر ممالک کے لئے ان

[1] علامہ صاحب کی مراد امام جماعت احمدیہ حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمدؓ سے ہے۔ (مرتب)

کے تبلیغی اصول کچھ اور ہیں یقینا نادرست ہے۔آپ نے یہ خیال غالباً لندن کے اسلامک ریویو کو دیکھ کر قائم کیا ہے لیکن آپ کو شاید معلوم نہیں کہ اسے احمدی جماعت سے کوئی تعلق نہیں۔

2۔ کعبہ سے سنگِ اسود کا ٹکڑا چروانے کی تحریک کے متعلق اس کے سوا کیا عرض کروں کہ:

سادگی ختم است چوں آئینہ برنسیان ما

حیرت ہے کہ آپ نے اسے کیسے باور کرلیا؟ غور کیجئے کہ وہ ایسا کیوں کرتے؟ کیا اس لئے کہ وہ قادیان کو دوسرا کعبہ بنانا چاہتے تھے؟ کیا اس لئے کہ وہ برکاتِ سماوی کا کوئی بڑا مہبط ہے؟ آپ کو شائد معلوم نہیں کہ حرمین کی عزت اور حرمت کا جو تصور ان کے سامنے ہے وہ مشکل ہی سے کسی دوسری جماعت میں پایا جاتا ہے۔لیکن اس کا تعلق نہ سنگِ اسود سے ہے نہ غلافِ کعبہ سے۔ بلکہ اس حقیقت سے کہ ان مقامات کو دنیا کے سب سے بڑے نبی کے موطن و مہبط ہونے کی عزت حاصل ہے اور یہ نسبت چرائی نہیں جاسکتی۔

3۔ ربوہ میں قصرِ نبوت اور قصرِ امّ اقدس کے نام سے کوئی عمارت موجود نہیں۔آپ کی اطلاع بالکل غلط ہے۔خلیفہ کی قیام گاہ کا نام البتہ انہوں نے قصرِ خلافت رکھا ہے۔لیکن جب انہوں نے ایک شخص کو خلیفہ یا امام تسلیم کرلیا ہے تو ظاہر ہے کہ اس کی جائے قیام کو خلافت ہی سے منسوب کریں گے اور اسی نسبت سے اس کو یاد کرنا زیادہ مناسب ہے۔ممکن ہے لفظ قصر پر آپ کو اختلاف ہو کہ اس سے بوئے دولت وثروت آتی ہے لیکن آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ عربی میں لفظ قصر مطلقاً جائے قیام اور گھر کے معنی میں مستعمل ہے۔ یہاں تک کہ ایک کوٹھڑی بھی پتھر چُن کر بنائی جائے تو اسے قصر کہہ سکتے ہیں۔

قادیان اور ربوہ میں نسبی اور عقائدی سلسلہ کے لوگوں کے لئے بیشک قبرستان موجود ہے جنہیں وہ ''مقبرہ بہشتی'' کہتے ہیں لیکن اس پر ناک بھوں چڑھانے کی کوئی وجہ نہیں۔اگر آپ مرنے والوں کے نام کے ساتھ مرحوم ومغفور کا اضافہ کرتے ہیں تو ان کے مدفن کو بہشتی مقبرہ کہنے میں کیا حرج ہے؟

اگر مرحوم و مغفور کہنا کوئی تمنا یا دعا ہے تو قبرستان کو بھی بہشت سے منسوب کرنا اسی قبیل کی چیز ہے۔ رہا یہ امر کہ وہ فحاشی کا گھر ہیں تو احمدیت کے خلاف ایسے اوچھے ہتھیار استعمال کرنا مناسب نہیں کیونکہ اس سے ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ آپ ہی کا احساسِ کمتری ضرور سامنے آجاتا ہے۔

4__ آپ نے ایک جگہ یہ بھی ظاہر کیا ہے کہ ان کی تحریک قرامطہ و باطنیوں کی سی تھی۔ یہ پڑھ کر میں حیران رہ گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ نہ آپ نے قرامطہ کی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے اور نہ احمدی جماعت کی زندگی کا۔ کجا قرامطہ و باطنیین جن کی تحریک کی بنیاد ہی قتل وخونریزی پر قائم تھی اور کجا احمدیین جن پر ہمیشہ ظلم کیا گیا اور درجنوں نے اپنے شجرِ ایمان کی آبیاری ہمیشہ اپنے خون سے کی۔ حال ہی میں پاکستان کے اندر ایک جھوٹے پروپیگنڈا پر کہ وہ رسول اللہ کو خاتم النبیین تسلیم نہیں کرتے انتہائی بے دردی کے ساتھ ان کو قتل و ذبح کیا گیا۔ لیکن یہ سب کچھ انہوں نے انتہائی صبر و ضبط سے برداشت کیا اور آخر کار اسی سرزمین میں جہاں ان کا خون بہایا گیا تھا ربوہ میں اپنا زبردست ادارہ قائم کر کے دکھا دیا کہ:

عشق ہر جا مے رود مارا بہ ساماں می برد

5__ آپ نے یہ بھی ظاہر کیا کہ آج کل مرزا صاحب کی تحریروں کو ایک عظیم فلسفہ کی حیثیت سے پیش کیا جا رہا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس سے قبل اس حیثیت سے پیش نہیں کیا جاتا تھا۔ حالانکہ مرزا صاحب کی جو تحریریں اب پیش کی جا رہی ہیں وہ پہلے بھی موجود تھیں اور اگر ان تحریروں میں آج فلسفہ پایا جاتا ہے تو پہلے بھی پایا جاتا تھا۔ آپ کا یہ اعتراض بالکل میری سمجھ میں نہیں آیا۔

6__ آپ نے اس امر کے ثبوت میں کہ مرزا صاحب، رسول اللہ کو خاتم النبیین نہیں سمجھتے تھے اور اس پر جو صغریٰ کبریٰ قائم کیا ہے وہ میری سمجھ سے باہر ہے۔ آپ ایک طرف خود یہ تسلیم کرتے ہیں کہ وہ محمد کو خاتم النبیین سمجھتے تھے اور دوسری طرف اس کی تردید بھی کرتے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو یقینا ظلِّ نبوی یا مہدی موعود سمجھتے تھے لیکن ان کا یہ کہنا عقیدہ ''خاتم النبیین'' کے منافی نہیں۔ کیونکہ جس

نبوت کو وہ آخری نبوت سمجھتے تھے اس کا انہوں نے کبھی دعویٰ نہیں کیا۔ اور جس ظلّی ملکۂ نبوت کا حامی وہ اپنے آپ کو کہتے تھے وہ کوئی نئی چیز نہیں۔ رسول اللہ نے خود اپنی امت کے علماء کو انبیاءِ بنی اسرائیل ظاہر کیا ہے اور مرزا صاحب یقیناً امتِ محمدی ہی سے تعلق رکھتے تھے۔

مرزا صاحب کے دعاوی میں اہم ترین دعویٰ یہی ہے کہ وہ مجدّد تھے، سایۂ نبوی تھے، مہدی موعود تھے۔ لیکن ان سب کا مفہوم ایک ہی تھا یعنی یہ کہ وہ احیائے دین کے لئے مامور ہوئے تھے اور اس میں کلام نہیں کہ انہوں نے یقیناً اخلاقِ اسلامی کو دوبارہ زندہ کیا اور ایک ایسی جماعت پیدا کر کے دکھا دی جس کی زندگی کو ہم یقیناً ''اسوۂ نبی'' کا پرتو کہہ سکتے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو مہبطِ وحی والہام بھی کہتے تھے۔ بظاہر یہ الفاظ بہت خطرناک نظر آتے ہیں لیکن اس مسئلہ پر ''نگار'' میں ہم بحوالۂ آیاتِ قرآنی کافی تفصیل کے ساتھ ظاہر کر چکے ہیں کہ وحی والہام انبیاء کے لئے مخصوص نہیں۔ اس میں حیوانات بھی شامل ہیں۔ یہاں تک کہ نہ صرف تقویٰ بلکہ فسق و فجور کے میدان کو بھی الہام ہی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ فَأَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا○

اب رہا یہ امر کہ مرزا صاحب واقعی مہبطِ الہام تھے یا نہیں اور ان کے الہامات کیا اور کیسے ہوتے تھے؟ یہ ایک مستقل موضوع ہے جس پر ہم آئندہ کسی وقت تفصیلی گفتگو کریں گے۔ ناسخ و منسوخ اور وفاتِ عیسیٰ کے متعلق انہوں نے جو کچھ لکھا ہے اس سے ہمارے بعض علماء متقدمین کو بھی اتفاق ہے۔ لیکن فرق یہ ہے کہ مرزا صاحب نے حالاتِ حاضرہ کے پیش نظر اسے زیادہ زور وقوت کے ساتھ پیش کیا ہے۔

رہا معاملہ مہدی موعود ہونے کا، سو اس پر ہمیں آپ کو غور کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ یہ دراصل چیلنج ہے غیر احمدی علماء کے لئے جو خود بھی احادیث و روایات سے ظہورِ مہدی کا استدلال کرتے ہیں۔ اور مرزا صاحب انہی احادیث و روایات سے اپنے آپ کو مہدی موعود اور مثیلِ مسیح ثابت کرتے ہیں۔ اس مسئلہ پر بھی مجھے بسیط بحث کرنا ہے۔

یہاں تک تو آپ کے اعتراضات کا جواب تھا لیکن اب مجھے اس سے ہٹ کر بھی کچھ عرض کرنا ہے۔ وہ یہ کہ آپ اس باب میں خود تحقیق و جستجو سے کام لیجئے، دوسروں کے کہنے پر اعتماد نہ کیجئے اور اگر آپ نے ایسا کیا تو مجھے امید ہے کہ آپ کو بھی اس امر کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ بانئ احمدیت واقعی غیر معمولی فکر و نظر رکھنے والا انسان تھا اور قدرت کی طرف سے ایک خاص ذہنی قوت لے کر آیا تھا جس نے ہر ہر قدم پر اس کی رہبری کی اور تعمیرِ اخلاق و کردار کی ایک بڑی یادگار اپنے بعد چھوڑ گیا۔

می گویم و بعد از من گویند بد ستانہا

(منقول از ''نگار'' بابت ماہ نومبر 1959ء صفحہ 35 تا 41)

احمدی جماعت اور مَیں

’’میں تمام مستفسرین کو اس بات کا یقین دلانا چاہتا ہوں کہ اس مسئلہ میں ایک بار میں قطعی و اذعانی گفتگو کروں گا اور یہ سوال ہمت کا نہیں بلکہ محض موقعہ و وقت کا ہے‘‘۔

(نیاز فتحپوری)

علامہ نیاز فتح پوری نے جماعت احمدیہ کے متعلق جن تحقیقی وتنقیدی خیالات کا اظہار اپنے موقر رسالہ ''نگار'' لکھنؤ میں کیا اس کا ایک شدید ردّعمل پیدا ہوا اور آپ کو کثیر تعداد میں پاک وہند کے قارئین کی طرف سے خطوط موصول ہوئے جن میں سے ایک خط کا تفصیلی جواب آپ نے ماہِ نومبر 1959ء کی اشاعت میں دیا تھا۔ دیگر خطوط جن میں ایسے متعدد استفسارات کئے گئے تھے ان کو آپ نے تقریباً ایک درجن سوالات کی صورت میں ماہِ دسمبر 1959ء کے ''نگار'' کے پرچہ میں درج فرمایا اور ان تمام کے تفصیلی اور مدلّل جوابات دینے کے لئے اپنے عزم کا اظہار فرمایا۔

(مرتب)

اوّل اوّل جب میں نے اگست 1959ء کے ''نگار'' میں احمدی جماعت کے متعلق اپنے تاثرات کا اظہار کیا تو میں جانتا تھا کہ اس کا ردّعمل کچھ نہ کچھ ضرور ہوگا۔ چنانچہ میرے پاس لوگوں کے خطوط آنے شروع ہوئے جن میں اکثر میرے خیال کی تردید میں لکھے گئے تھے لیکن بغیر کسی دلیل کے اور بعض ایسے بھی تھے جن میں بعض حالات وواقعات لکھ کر مجھ سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ میں اس جماعت کے متعلق اپنی رائے واپس لوں۔ پھر قسم اوّل کے خطوط کو تو میں نے نذرِ آتش کر دیا کیونکہ ان میں صرف سبّ وشتم سے کام لیا گیا تھا لیکن دوسری قسم کے خطوں میں سے ایک خط مَیں نے نومبر کے ''نگار'' میں شائع کر کے اس کا جواب بھی دیا اور معلوم نہیں کہ معترض پر اس کا کیا اثر ہوا لیکن میرے اس جواب کو دیکھ کر بعض دیگر حضرات کے خطوط ضرور ایسے موصول ہوئے جن کے پیشِ نظر اس فیصلہ کے متعدد پہلوؤں پر اظہارِ خیال کا مجھ سے مطالبہ کیا گیا (گو وہ پہلو اس سے قبل بھی میرے سامنے تھے) مثلاً مجھ سے پوچھا گیا کہ:

1۔ مرزا غلام احمد صاحب کا دعویٰ تجدید ومہدویت کہاں تک جائز ودرست تھا؟

2۔ کیا ان کا دعوائے ظلّی نبوت واقعی قابلِ اعتناء ہے اور کیوں؟

3۔ کیا وہ اپنی سیرت وکردار کے لحاظ سے واقعی اس کے مستحق تھے کہ انہیں مجدّد، مہدی، مثیلِ مسیح اور غیر تشریعی نبی تسلیم کیا جائے؟

4۔ کیا ان کے بعض ارشادات واقعی کوئی ایسی اہمیت اپنے اندر رکھتے ہیں کہ انہیں ملہماتِ ربّانی سے تعبیر کیا جائے؟

5۔ کیا نزول مسیح اور خروج مہدی کے بارے میں جو احادیث پائی جاتی ہیں وہ قابلِ تسلیم ہیں۔ اور کیا ان کے پیش نظر مرزا صاحب کا اپنے آپ کو مہدی موعود کہنا درست ہوسکتا ہے؟

6۔ کیا انہوں نے یہ نہیں کہا کہ احمدی جماعت کے افراد غیر احمدی کی اقتداء نہ کریں اور نہ ان سے اپنی لڑکیوں کی شادی کریں؟ اگر یہ صحیح ہے تو کیا اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ اپنے سوا دوسری مسلم جماعتوں کو مسلمان نہیں سمجھتے؟

7۔ کیا قرآن پاک کی تفسیر کے سلسلہ میں اس جماعت کی بعض تاویلات خود متنِ قرآن کے منافی نہیں ہیں۔

8۔ کیا اس جماعت کی تبلیغی کوششوں کی بنیاد کسی خاص اخلاقی وروحانی اصول پر قائم ہے یا وہ محض گروہ بندی ہے۔

9۔ ان کے مشن نے جو کچھ آج تک کیا ہے کیا وہ اپنی کیفیت کے لحاظ سے بھی اتنا ہی اہم ہے جتنا کمیت کے لحاظ سے۔

10۔ کیا ان کا سلسلۂ خلافت محض تنظیمی مصالح پر مبنی ہے یا روحانی واخلاقی صلاحیت پر بھی۔

11۔ کیا مرزا غلام احمد صاحب کا دعویٰ مہدویت سید محمد جونپوری کے دعوائے مہدویت سے علیحدہ کوئی چیز ہے؟ اور اخیر میں سب سے زیادہ اہم سوال جس کا تعلق صرف میری ذات سے ہے، مجھ سے یہ بھی کیا گیا ہے کہ:

12۔ کیا میں احمدی جماعت میں شامل ہونے کا ارادہ رکھتا ہوں؟ اور اگر یہ صحیح ہے تو میرے موجودہ عقائد اور احمدی جماعت کا نقطۂ اشتراک کیا ہوسکتا ہے؟

اس میں شک نہیں کہ یہ تمام سوالات اپنی اپنی جگہ خاص اہمیت رکھتے ہیں اور مجھے ان سب پر علیحدہ علیحدہ گفتگو کرنا ہے۔ لیکن فی الحال دو موانع میرے سامنے حائل ہیں۔ ایک یہ کہ میں اب تک احمدی جماعت کی پوری تاریخ کا مطالعہ نہیں کرسکا ہوں (گو پندرہ بیس کتابیں میری نظر سے گزر چکی ہیں) اور دوسرے یہ کہ اگر میں اس سلسلہ کو شروع کردوں تو پھر بات احمدی جماعت تک ہی محدود نہ رہے گی بلکہ اس سلسلہ میں مجھے حال وماضی کی تمام مسلم جماعتوں کی تحریکات کا بھی جائزہ لینا پڑے گا

،روایت واحادیث پر بھی گفتگو کرنا پڑے گی اور اسی کے ساتھ بعض قرآنی آیات پر بھی غور کرنا ہوگا۔
ظاہر ہے کہ یہ کام بڑی فرصت چاہتا ہے جو مجھے فی الحال حاصل نہیں۔تاہم جی میرا ابھی یہی چاہتا ہے کہ ایک بار کھل کر اس موضوع پر گفتگو کر سکوں اور ہوسکتا ہے کہ میرا یہ شوق کسی وقت مجھے اس پر مجبور کردے۔

بار ہا خیال آیا کہ چند دن کے لئے قادیان یا ربوہ میں قیام کر کے ان حضرات سے تبادلۂ خیالات کی جرأت کروں یا کسی احمدی عالم کو اپنے پاس بلاؤں اور اس سے بالمشافہ گفتگو کر کے کسی نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش کروں۔کیونکہ اس سلسلہ میں مجھے بہت سی باتیں پوچھنا پڑیں گی اور ان کا جواب وہی بہتر دے سکتے ہیں۔لیکن اب تک اس ارادہ کی تکمیل نہیں ہوسکی۔

بہر حال میں تمام مستفسرین کو اس بات کا یقین دلا دینا چاہتا ہوں کہ اس مسئلہ میں ایک بار ایک قطعی و اذعانی گفتگو ضرور کروں گا اور یہ سوال ہمت کا نہیں بلکہ محض موقعہ و وقت کا ہے۔لیکن ان سوالوں میں سے آخری سوال کا جواب دینے کے لئے میں اب بھی تیار ہوں۔

میرے متعلق یہ سوال کہ میں کسی وقت احمدی ہوسکتا ہوں یا نہیں اسی وقت پیدا ہوسکتا ہے جب پہلے مجھے مسلمان سمجھ لیا جائے یا کم از کم یہ کہ ''میں کافر نہیں ہوں''۔میرے معتقدات ساری دنیا کو معلوم ہیں اور مسلمانوں کی کوئی روایت پرست جماعت ایسی نہیں جو میرے اسلام و ایمان کی طرف سے مشکوک نہ ہو۔اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ ایک احمدی جماعت کو بھی اس سے مستثنیٰ قرار دیا جائے۔بنا برآں میرے متعلق تو سب سے پہلے یہی طے ہونا ہے کہ میں مسلمان ہوں بھی یا نہیں؟ (احمدی یا غیر احمدی کا سوال تو اس کے بعد پیدا ہوگا) حالانکہ جہاں تک خود میرے یقین واذعان کا تعلق ہے میں اپنے آپ کو بہت اچھا مسلمان سمجھتا ہوں اور اس دعویٰ کے ساتھ کہ:

بسوز غالب آزادہ را و باک مدار
بشرط آنکہ تواں گفت نا مسلمانش

اور یہیں سے کفر و اسلام کی وہ بحث چھڑ جاتی ہے جو خدا کے تنزیہی اور غیر تنزیہی تصور پر جا کر ختم ہو جاتی ہے اور مجھے علماء ظواہر کی طرف سے مایوس کر دیتی ہے۔ اس جگہ مجھے یہ ظاہر کر دینا چاہئے کہ اس وقت تک احمدی جماعت کا جو لٹریچر میری نگاہ سے گزرا ہے اس میں ضرور خدا کے اس تنزیہی تصور کے اشارات مجھے ملتے ہیں تاہم اس سلسلہ میں مجھے مرزا غلام احمد صاحب کے دعوائے مہدویت و نبوتِ ظلّی وغیرہ پر غور کر کے یہ دیکھنا ہے کہ میرے اور ان کے خدا میں کوئی فرق تو نہیں، اگر ہے تو کیا؟ نہیں ہے تو وہ کونسا نقطۂ اشتراک ہے جس پر میں اور وہ دونوں متفق ہو سکتے ہیں۔

(منقول از ''نگار'' بابت ماہ دسمبر 1959ء صفحہ 39، 40)

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک

عربی نعتیہ قصیدہ

پر

تبصرہ

''مرزا صاحب کا یہ مشہور قصیدہ (۴۹) اشعار پر مشتمل ہے۔ اپنے تمام لسانی محاسن کے لحاظ سے ایسی عجیب وغریب چیز ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا، ایک ایسا شخص جس نے کسی مدرسے میں زانوئے ادب تہہ نہ کیا تھا کیوں کر ایسا فصیح وبلیغ قصیدہ لکھنے پر قادر ہو گیا..... یہ قصیدہ نہ صرف اپنی لسانی وفنّی خصوصیات بلکہ والہانہ محبت کے لحاظ سے بھی، جو مرزا صاحب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے تھی، بڑی پُر اثر چیز ہے۔''

(نیاز فتحپوری)

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی معرکۃ الآراء تصنیف ''آئینہ کمالات اسلام'' کے آخر میں عربی زبان میں جو بے نظیر قصیدہ اپنے آقا حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کی تعریف وتوصیف میں رقم فرمایا ہے اس کی شرح مکرم مولانا جلال الدین صاحب شمس نے

''شرح القصیدہ''

کے نام سے شائع فرمائی۔ اس شاندار عربی قصیدہ اور اس کی شرح سے متاثر ہو کر علامہ نیاز فتح پوری نے جو بے لاگ تبصرہ تحریر فرمایا وآگے درج ہے:

(مرتب)

اب سے تقریباً 65 سال قبل 1893ء کی بات ہے مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے دعویٰ تجدید ومہدویت سے ملک کی فضا گونج رہی تھی اور مخالفت کا ایک طوفان ان کے خلاف برپا تھا۔ آریہ ،عیسائی اور مسلم علماء سب ہی ان کے مخالف تھے اور وہ تن تنہا ان تمام حریفوں کا مقابلہ کر رہے تھے۔ یہی وہ زمانہ تھا جب انہوں نے مخالفین کو "ھل من مبارز" کے متعدد چیلنج دیئے اور ان میں سے کوئی سامنے نہ آیا۔ ان پر منجملہ اور اتہامات میں سے ایک اتہام یہ بھی تھا کہ وہ عربی اور فارسی سے نابلد ہیں۔ اسی اتہام کی تردید میں انہوں نے یہ قصیدہ نعت عربی میں لکھ کر مخالفین کو اس کا جواب لکھنے کی دعوت دی۔ لیکن ان میں سے کوئی بروئے کار نہ آیا۔

مرزا صاحب کا یہ مشہور قصیدہ 149 اشعار پر مشتمل ہے۔ اپنے تمام لسانی محاسن کے لحاظ سے ایسی عجیب وغریب چیز ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا ایک ایسا شخص جس نے کسی مدرسے میں زانوئے ادب تہہ نہ کیا تھا، کیونکر ایسا فصیح وبلیغ قصیدہ لکھنے پر قادر ہو گیا۔ اسی زمانہ میں ان کے مخالفین یہ بھی کہا کرتے تھے کہ ان کی عربی زبان کی شاعری غالباً ان کے مریدِ خاص مولوی نورالدین کی ممنون کرم ہے۔ لیکن اس الزام کی لغویت اسی سے ظاہر ہے کہ مولوی نورالدین خود مرزا صاحب کے بڑے معتقد تھے اور اگر مرزا صاحب کے عربی قصائد وغیرہ انہی کی تصنیف ہوتے تو مرزا صاحب اس کذب و دروغ پر کہ یہ سب کچھ خود انہی کی فکر کا نتیجہ ہے، سب سے پہلے نورالدین ہی معترض ہو کر اس جماعت سے علیحدہ ہو جاتے۔ حالانکہ مرزا صاحب کی وفات کے بعد وہی خلافت کے مستحق قرار دیئے گئے۔

یہ رسالہ مرزا صاحب کے اس عربی قصیدہ کی شرح ہے جس کا ذکر ابھی ہو چکا ہے۔ یہ شرح مولوی جلال الدین شمس نے لکھی ہے جو کسی وقت بلاد عرب وانگلستان میں احمدی مبلّغ کی خدمات سرانجام

دے چکے ہیں۔ یہ شرح انہوں نے بڑی عقیدت مندانہ کاوش سے لکھی ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے ظاہر کر چکے ہیں یہ قصیدہ نہ صرف اپنی لسانی وفنّی خصوصیات بلکہ اس والہانہ محبت کے لحاظ سے بھی جو مرزا صاحب کو رسول اللہ سے تھی، بڑی پُراثر چیز ہے۔ یہ قصیدہ اس شعر سے شروع ہوتا ہے:

یا عین فیض اللّٰہ والعرفانِ
یسعیٰ اِلیک الخلق کالظّمآنِ

اور اختتام اس شعر پر ہوتا ہے:

جسمی یطیرُ الیک من شوقٍ علا
یالیتَ کانت قوّۃ الطیرانِ

یہ رسالہ الشرکۃ الاسلامیہ ربوہ (پاکستان) سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

(منقول از رسالہ ''نگار'' لکھنؤ اپریل 1960ء صفحہ 52)

احمدی جماعت کا قریب تر مطالعہ

''اس وقت مسلمانوں میں ان کو بے دین و کافر کہنے والے تو بہت ہیں لیکن مجھے تو آج ان مدعیانِ اسلام کی جماعتوں میں کوئی جماعت ایسی نظر نہیں آتی جو اپنی پاکیزہ معاشرت، اپنے اسلامی رکھ رکھاؤ، اپنی تابِ مقاومت اور خوئے صبر و استقامت میں احمدیوں کے خاکِ پا کو بھی پہنچتی ہو''

(نیاز فتحپوری)

علامہ نیاز فتح پوری مئی 1960ء کے اوائل میں لکھنؤ سے پاکستان تشریف لائے۔ یہاں آپ نے وسط جون تک قیام فرمایا۔اس سفر میں آپ کا مرکزِ احمدیت ربوہ کی زیارت کا بھی ارادہ تھا مگر بعض وجوہات کی بناء پر باجودخواہش کے آپ ربوہ تشریف نہ لا سکے۔لیکن لاہور اور کراچی میں آپ کو جماعت احمدیہ کے متعدد احباب سے ملاقات اور جماعت کا قریب سے مطالعہ کرنے کا موقعہ ملا۔ آپ نے واپس جا کر ''نگار'' بابت ماہ جولائی 1960ء میں اپنے سفرِ پاکستان کے حالات سپردِقلم فرمائے۔جس میں آپ نے ''احمدی جماعت کا قریب تر مطالعہ'' کے ذیلی عنوان کے تحت جماعت کی عظمت و کردار اور بلندیٔ اخلاق کے بارے میں اپنے قلبی تاثرات کا یوں اظہار فرمایا۔

(مرتّب)

لکھنؤ سے چلتے وقت ایک ذہنی یا جذباتی پروگرام میں نے یہ بھی بنایا تھا کہ اس سفر کے دوران میں اگر قادیان نہیں تو ربوہ ضرور دیکھوں گا جو سنا ہے کسی وقت وادیٔ غیر ذی زرع تھا اور احمدی مجاہدین نے اسے ایک متمدن شہر بنا دیا ہے۔ قادیان کا سوال اس لئے سامنے نہ تھا کہ پورا خاندان میرے ساتھ تھا۔ اور ربوہ تو خیر مَیں کراچی سے تنہا بھی جا سکتا تھا۔ لیکن افسوس کہ میرا یہ ارادہ پورا نہ ہوسکا۔ اس کا ایک سبب تو یہ تھا کہ میرے ویزا میں ربوہ درج نہ تھا۔ دوسرے یہ کہ میری صحت اس کی متقاضی نہ تھی کہ موسم گرما میں سفرِ ریگستان کی جرأت کرسکوں۔ لیکن میری اس پس ہمتی کی تلافی کسی نہ کسی حد تک اس طرح ہوگئی کہ بعض مخلصین سے امرتسر کے سٹیشن پر تبادلۂ نگاہ ہوگیا۔ بعض سے لاہور میں یاد اللہ ہوگئی اور جب کراچی پہنچا تو ایک سے زائد بار مجھے ان کو زیادہ قریب سے دیکھنے اور سمجھنے کا موقعہ مل گیا۔

سب سے پہلی چیز جسے میں نے بیّن طور پر محسوس کیا ان کی متانت اور سنجیدگی تھی۔ ان کے ہنستے ہوئے چہرے، ان کے بشاش قیافے اور ان کی بوئے خوش دلی تھی۔ دوسری بات جس نے مجھے بہت زیادہ متاثر کیا یہ تھی کہ انہوں نے دوران گفتگو میں مجھ سے کوئی تبلیغی گفتگو نہیں کی۔ کبھی کوئی ذکر تعلیمِ احمدیت کا نہیں چھیڑا، جو یقیناً مجھے پسند نہ آتا۔ میرا مقصد صرف خاموش نفسیاتی مطالعہ کرنا تھا اور یہ ان کی انتہائی ادا شناسی تھی کہ دونوں عصرانوں میں انہوں نے مجھے اس مطالعہ کا پورا موقعہ دیا اور کوئی بات ایسی نہیں چھیڑی کہ مطالعہ نگاہ سے ہٹ کر زبان تک پہنچتا اور میرا زاویہ نظر بدل جاتا۔

اس کا علم تو مجھے تھا کہ احمدی جماعت بڑی باعمل جماعت ہے لیکن یہ علم زیادہ تر سماعی و کتابی تھا اور میں کبھی اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا تھا کہ ان کی زندگی کی بنیاد ہی سعی و عمل پر قائم ہے اور جدوجہد ان کا قومی شعار بن گیا ہے۔

اس سے ہر شخص واقف ہے کہ وہ ایک مشنری جماعت ہے اور ایک خاص مقصد کو سامنے رکھ کر آگے بڑھتی ہے اور ایسے نا قابلِ شکست عزم وحوصلہ کے ساتھ کہ تاریخِ اسلام میں اس کی مثال قرونِ اولیٰ کے بعد کہیں نہیں ملتی۔

مَیں حیران رہ گیا یہ معلوم کر کے کہ ان کے دو شفاخانے جو انہوں نے یہیں کراچی کی دو غریب آبادیوں میں قائم کئے ہیں محض ان کے چند نوجوان افراد کی کوشش کا نتیجہ ہیں۔ جنہوں نے خود اپنے ہاتھوں سے اس کی بنیاد کھودی، ان کی دیواریں اٹھائیں، ان کی چھتیں استوار کیں، ان کا فرنیچر تیار کیا اور اب صورتِ حال یہ ہے کہ ان شفاخانوں سے روزانہ سینکڑوں غرباء کو نہ صرف دوائیں بلکہ طبّی غذائیں بھی مفت تقسیم کی جاتی ہیں۔ اور عوام کی ذہنی تربیت کے لئے ریڈنگ روم اور کتب خانے بھی قائم ہیں۔

دل شکستہ دراں کوچہ می کنند درست
چنانکہ خود نشناسی کہ از کجا شکست

کراچی اور لاہور میں اس کے افراد پانچ پانچ ہزار سے زائد ہیں لیکن اپنی ''گراں مائیگی مستقبل'' کے لحاظ سے وہ ایک ''بنیان مرصوص'' نا قابل تزلزل، ایک حصار نا قابل تسخیر اور کھلی ہوئی نشانیاں ہیں اس اسوۂ حسنہ کی جس کا ذکر محراب ومنبر پر تو اکثر سنا جاتا ہے لیکن دیکھا کہیں نہیں جاتا۔

پھر سوال یہ ہے کہ ایسا کیوں ہے؟ وہ کیا بات ہے جس نے انہیں یہ سوجھ بوجھ عطا کی۔ اس کا جواب اُبھری ہوئی جماعتوں کی تاریخ میں ہم کو صرف ایک ہی ملتا ہے اور وہ ہے عظمتِ کردار اور بلندیٔ اخلاق۔

اس وقت مسلمانوں میں ان کو بے دین و کافر کہنے والے تو بہت ہیں لیکن مجھے تو آج ان مدعیانِ اسلام کی جماعتوں میں کوئی جماعت ایسی نظر نہیں آتی جو اپنی پاکیزہ معاشرت، اپنے اسلامی رکھ رکھاؤ، اپنی تابِ مقاومت اور خوئے صبر واستقامت میں احمدیوں کے خاکِ پا کو بھی پہنچی ہو۔

ایں آتش نیرنگ نہ سوزد ہمہ کس را

یہ امر مخفی نہیں کہ تحریک احمدیت کی تاریخ 1889ء سے شروع ہوتی ہے جس کو کم وبیش ستّر (70) سال سے زیادہ زمانہ نہیں گزرا لیکن اس قلیل مدت میں اس نے اتنی وسعت اختیار کر لی کہ آج لاکھوں نفوس اس سے وابستہ نظر آتے ہیں اور دنیا کا کوئی دور ودراز گوشہ ایسا نہیں جہاں یہ مردانِ خدا اسلام کی صحیح تعلیم، انسانی پرستی کی نشر واشاعت میں مصروف نہ ہوں۔

آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ جب بانیٔ احمدیت کی رحلت کے بعد 1934ء میں موجودہ امیر جماعت نے تحریک جدید کا آغاز کیا تو اس کا بجٹ صرف 27 ہزار کا تھا۔ لیکن 25 سال کے بعد وہ بیس لاکھ اسّی ہزار تک پہنچ گیا جو انتہائی احتیاط ونظم کے ساتھ تعلیمات اسلامی پر صَرف ہو رہا ہے۔ اور جب قادیان وربوہ میں صدائے اللہ اکبر بلند ہوتی ہے تو ٹھیک اسی وقت یورپ وافریقہ و ایشیا کے ان بعید وتاریک گوشوں سے بھی یہی آواز بلند ہوتی ہے جہاں سینکڑوں غریب الدیار احمدی خدا کی راہ میں دلیرانہ قدم آگے بڑھائے ہوئے چلے جا رہے ہیں۔

باور کیجئے، جب میں یہ دیکھتا ہوں کہ باوجود ان عظیم خدمات کے بھی اس بے ہمہ وباہما جماعت کو بُرا کہا جاتا ہے تو مجھے سخت تکلیف ہوتی ہے اور مسلمانوں کی اس بے بصری پر حیرت ہوتی ہے۔

مبیں حقیر گدایان عشق را کایں قوم
شہان بے کمر وخسروان بے کُلہ اند

جب سے میں نے تحریک احمدیت پر اظہار خیال شروع کیا ہے عجیب وغریب سوالات مجھ سے کئے جا رہے ہیں۔ بعض حضرات اس جماعت کے معتقدات کے بارے میں استفسار فرماتے ہیں۔ بعض براہ راست بانیٔ احمدیت کے دعویٔ مہدویت ونبوت کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ کچھ ایسے بھی ہیں جو ان کے اخلاق کو داغ دار ظاہر کر کے مجھے ان کی طرف سے متنفر کرنا چاہتے ہیں اور بعض تو صاف صاف مجھ سے یہی پوچھ بیٹھتے ہیں، کیا میں احمدی ہوگیا ہوں؟ میں یہ سب سنتا ہوں اور خاموش ہو جاتا ہوں۔ کیونکہ وہ یہ تمام سوالات اس لئے کرتے ہیں کہ وہ مجھے بھی اپنے ہی جیسا مسلمان سمجھتے

ہیں اور اس حقیقت سے بے خبر ہیں کہ:

ہم کعبہ و ہم بتکدہ سنگ رہِ مابود
رفتیم و صنم برسرِ محراب شکستیم

مذہب واخلاق دراصل ایک ہی چیز ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ احمدی جماعت کی بنیاد اسی احساس پر قائم ہے اور اسی لئے وہ مذہبی عصبیت سے کوسوں دور ہیں۔ وہ تمام اخلاقی مذاہب کا احترام کرتے ہیں اور جس حد تک خدمت خلق کا تعلق ہے، رنگ ونسل اور مسلک وملت کا امتیاز ان کے یہاں کوئی چیز نہیں۔ وہ ہمیشہ سادہ غذا کھاتے ہیں، سادے کپڑے پہنتے ہیں۔ سگریٹ وےَ نوشی وغیرہ کی مذموم عادتوں سے مبرّا ہیں۔ نہ تھیٹر اور سینما سے انہیں کوئی واسطہ، نہ کسی اور لہو ولعب سے دلچسپی۔ انہوں نے اپنی زندگی کی ایک شاہراہ قائم کر لی ہے اور اسی پر نہایت متانت وسلامت روی کے ساتھ چلے جارہے ہیں۔ یہی حال ان کی عورتوں کا ہے اور اسی فضا میں ان کے بچے پرورش پا رہے ہیں۔ مجھے مطلق ان سے بحث نہیں کہ ان کے معتقدات کیا ہیں۔ میں تو صرف انسان کی حیثیت سے ان کا مطالعہ کرتا ہوں اور ایک معیاری انسان کی حیثیت سے ان کا احترام میرے دل میں ہے۔

اس وقت تک بانیٔ احمدیت کا مطالعہ جو کچھ میں نے کیا ہے اور مَیں کیا، جو کوئی خلوص وصداقت کے ساتھ ان کے حالات وکردار کا مطالعہ کرے گا اسے تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ صحیح معنی میں عاشقِ رسولؐ تھے اور اسلام کا بڑا مخلصانہ درد اپنے دل میں رکھتے تھے۔ انہوں نے جو کچھ کہا یا کیا، وہ نتیجہ تھا محض ان کے بے اختیارانہ جذبہ وخلوص اور داعیاتِ حق وصداقت کا۔ اس لئے سوال ان کی نیت کا باقی نہیں رہتا۔ البتہ گفتگو اس میں ہوسکتی ہے کہ انہوں نے کن معتقدات کی طرف لوگوں کو دعوت دی۔ سو اس پر روایتاً ودرایتاً دونوں طرح غور وتامل ہوسکتا ہے لیکن بے سود۔ کیونکہ ان کا تعلق صرف ان کے امیال وعواطف سے ہوگا نہ کہ عمل وکردار سے۔ اور اصل چیز عمل وکردار ہی ہے۔

اب رہا سوال میرے احمدی ہونے یا نہ ہونے کا، سو اس کے متعلق میں اس کے سوا اور کیا کہہ سکتا

ہوں کہ سرے سے میرا مسلمان ہونا ہی مشکوک ہے چہ جائیکہ احمدی ہونا۔ یہاں تو اصل چیز صرف عمل ہے اور اس حیثیت سے میں اپنے آپ کو اور زیادہ نااہل پاتا ہوں۔

برہمن می شدم گر ایں قدر زنّار می بستم

اس لئے مناسب یہی ہے کہ مجھ سے اس قسم کا کوئی ذاتی سوال نہ کیا جائے۔ نہ اس لحاظ سے کہ یہ بالکل بے نتیجہ سی بات ہے بلکہ اس خیال سے بھی کہ:

دریغا آبروئے دیر گر غالبؔ مسلماں شد

اس سلسلہ میں مجھے ایک بات اور عرض کرنا ہے۔ وہ یہ کہ آج یا کل یقیناً وہ وقت بھی آئے گا جب میں احمدی جماعت کے مذہبی لٹریچر پر ناقدانہ تبصرہ کروں گا۔ کیونکہ بغیر سمجھے ہوئے کسی بات کو مان لینا میرے فطری رجحان کے خلاف ہے۔ اور احمدی معتقدات میں مجھے کچھ باتیں ایسی بھی نظر آتی ہیں جو اب تک میری سمجھ میں نہیں آئیں۔ لیکن اس کا تعلق میرے ذاتی و انفرادی ردّ و قبول سے ہوگا نہ کہ احمدی جماعت کے وجود اجتماعی سے۔ جس کی افادیت سے انکار کرنا گویا دن کو رات کہنا ہے اور دن کو رات میں نے کبھی نہیں کہا۔

(منقول از ماہنامہ ''نگار'' لکھنؤ ماہ جولائی 1960ء صفحہ 117 تا 119)

چند گھنٹے قادیان میں

''ان چند ساعتوں میں جو کچھ میں نے یہیں دیکھا وہ میری زندگی کا اتنا دلچسپ تجربہ تھا کہ اگر میرے اختیار میں ہوتا تو میں پچاس سال پیچھے ہٹ کر وہی زندگی شروع کرتا جو قادیان کی احمدی جماعت میں مجھے نظر آئی لیکن

حیف صد حیف کہ ما دیر خبر دار شدیم''

(نیاز فتحپوری)

علامہ نیاز فتح پوری 28/جولائی 1960ء کو امرت سر سے قادیان مختصر عرصہ کے لئے تشریف لے گئے۔ جماعت احمدیہ کے دائمی مرکز قادیان میں جانے کے لئے علامہ موصوف نے اپنی خواہش کا اظہار صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب ناظر دعوت وتبلیغ کے نام اپنے خط میں یوں فرمایا تھا:

''میں سوچ رہا ہوں کہ اگر موقع ملے تو چند دن کے لئے قادیان آؤں۔ بحث ومباحثہ کے لئے نہیں بلکہ آپ حضرات کی زندگی کا خاموش مطالعہ کرنے کے لئے''

آپ کی یہ مراد تقریباً ڈیڑھ برس کے بعد برآئی اور آپ کو ایک روز کے نہایت مختصر قیام میں درویشان قادیان سے ملنے اور وہاں کے مقدس مقامات کو دیکھنے کا موقع ملا۔ ان ایام میں جرمن احمدی دوست مسٹر ولیم ناصر بھی موجود تھے، ان سے بھی ملاقات ہوئی۔ قادیان کے اس ''خاموش مطالعہ'' کے بعد آپ نے لکھنؤ واپس جا کر اپنے جریدہ میں ''چند گھنٹے قادیان میں'' کے عنوان سے اپنے تاثرات تحریر فرمائے۔

(مرتّب)

''28/ جولائی کو میں قادیان پہنچا اور 29/ جولائی کو امرتسر واپس آ گیا لیکن چوبیس گھنٹوں کی فرصت میں مَیں نے وہاں پر کیا کھویا اور کیا پایا؟ اس کی تفصیل آئندہ اشاعت میں پیش کروں گا۔''

(منقول از ''نگار'' بابت ماہ اگست 1960ء صفحہ 5)

۞

احمدی جماعت کے متعلق

''جن حضرات کو میرے خیالات سے اختلاف ہو وہ مفصل و مدلّل طور پر مجھے لکھ بھیجیں۔ میں ان کی غلط فہمیاں دور کرنے کی کوشش کروں گا۔ اگر انہوں نے میری غلط فہمی مجھ پر ثابت نہ کر دی''

(منقول از ''نگار'' بابت ماہ ستمبر 1960ء صفحہ 5)

۞

28،29رجولائی کی وہ چند ساعتیں جو میں نے قادیان میں بسر کیں میری زندگی کی وہ گھڑیاں تھیں جن کو میں کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔

حیاتِ انسانی کا ہر لمحہ زندگی کا ایک نیا درس، ایک نیا تجربہ اپنے ساتھ لاتا ہے۔ اگر زندگی نام صرف سانس کی آمد وشد کا نہیں بلکہ آنکھ کھول کر دیکھنے اور سمجھنے کا بھی ہے اور ان چند ساعتوں میں جو کچھ میں نے یہیں دیکھا وہ میری زندگی کا اتنا دلچسپ تجربہ تھا کہ اگر میرے اختیار میں ہوتا تو میں پچاس سال پیچھے ہٹ کر وہی زندگی شروع کرتا جو قادیان کی احمدی جماعت میں مجھے نظر آئی۔ لیکن

حیف در حیف کہ مادیر خبردار شدیم

میں انفرادی حیثیت سے ہمیشہ بے عمل انسان رہا ہوں لیکن مسائل حیات کو (جن میں مذہب بھی شامل ہے) میں ہمیشہ اجتماعی نظر سے دیکھتا ہوں اور یہ نقطۂ نظر میرے ذہن میں حرکت وعمل کے سوا کچھ نہیں۔ پھر یہ داستان بھی بہت طویل ہے کہ پچھلی صدی میں کتنی خانقاہیں، کتنے خانوادے، کتنے ادارے، کتنی درس گاہیں اور کتنے جلوہائے منبر ومحراب میری نگاہ سے گزرے اور میں کس طرح ان سے بے نیازانہ گزر گیا۔ لیکن اب زندگی میں سب سے پہلی مرتبہ احمدی جماعت کی جیتی جاگتی تنظیم عملی کو دیکھ کر کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے گویا

غنچہ پھر لگا کھلنے، آج ہم نے اپنا دل
خوں کیا ہوا دیکھا، گم کیا ہوا پایا

کیونکہ عالم اسلام میں آج یہی ایک ادارہ ہے جو

دعوت برگ ِنوائے کند

اور اسلام کا مفہوم میرے ذہن میں ''دعوتِ برگ ونوا'' کے سوا اور کچھ نہیں۔

لوگ منزل تک پہنچنے کے لئے راہیں ڈھونڈتے ہیں ۔ برسوں سرگرداں رہتے ہیں اور ان میں صرف چند ہی ایسے ہوتے ہیں جو منزل کو پالیتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ انہیں میں سے ایک مرزا غلام احمد قادیانی بھی تھے۔ سواب یہ فکروجستجو کہ وہ کن راہوں سے گزر کر منزل تک پہنچے، بالکل بے سود ہے۔ اصل چیز راہ پیمائی نہیں بلکہ منزل تک پہنچ جانا ہے۔ اور اگر میں احمدی جماعت کو پسند کرتا ہوں تو صرف اسی لئے کہ اس نے اپنی منزل پالی ہے۔ اور یہ منزل وہی ہے جس کی بانیٔ اسلام نے نشاندہی کی تھی۔ اس سے ہٹ کر میں اور کچھ نہیں سوچتا اور نہ سوچنے کی ضرورت ــــــ

میرا قادیان آنا بھی اسی سلسلہ کی چیز تھی۔ یعنی جس جماعت کی عملی زندگی کا ذکر میں سنتا چلا آرہا تھا اسے آنکھوں سے بھی دیکھنا چاہتا تھا۔

ہر چند میں بہت کم وقت لے کر یہاں آیا لیکن میں سمجھتا ہوں کہ نتیجہ تک پہنچنے کے لئے یہ قلیل فرصت بھی کم نہ تھی۔ کیونکہ اس جماعت کی زندگی ہی ایک ایسا کھلا ہوا صحیفہ حیات ہے جس کے مطالعہ کے لئے نہ زیادہ وقت کی ضرورت ہے نہ کسی چون و چراں کی۔ اسی طرح ان کی دفتری تنظیم بھی گویا ایک شفاف آئینہ ہے جس میں زنگ کا نام تک نہیں۔ یکسر خلوص و اخلاق، یکسر حرکت و عمل۔

قادیان میں جماعت احمدیہ کے افراد جو ''درویشان قادیان'' کہلاتے ہیں دوسو سے زیادہ نہیں۔ جو قصبہ کے ایک گوشہ میں نہایت اطمینان وسکون کے ساتھ اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں اور ان کو دیکھ کر کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے گویا:

یک چراغ دریں خانہ کہ از پرتوِ آں
ہر کجامی نگری، انجمنے ساختہ اند

یہی وہ مختصر سی جماعت ہے جس نے 1947ء کے خونی دور میں اپنے آپ کو ذبح وقتل کے لئے پیش کر دیا اور اپنے ہادی ومرشد کے مسقط الراس کو ایک لمحے کے لئے چھوڑنا گوارا نہ کیا۔

موج خوں سر سے گزر ہی کیوں نہ جائے

آستان یار سے اٹھ جائیں کیا

یہی وہ جماعت ہے جس نے محض اخلاق سے ہزاروں دشمنوں کو اپنا گرویدہ بنالیا اور ان سے بھی قادیان کو ''دارالامان'' تسلیم کرا لیا۔ یہی وہ جماعت ہے جو ہندوستان کے تمام احمدی اداروں کا سررشتۂ تنظیم اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے ہے۔ اور یہی وہ دورافتادہ مقام ہے جہاں سے تمام اکناف ہند میں اسلام وانسانیت کی عظیم خدمت انجام دی جارہی ہے۔

آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ پچھلے صرف تین سال کے عرصہ میں انہوں نے تعلیم اسلامی، سیرت نبوی، ضرورت مذہب، خصوصیات قرآن وغیرہ متعدد مباحث پر 43 کتابیں ہندی، اردو، انگریزی اور گورمکھی زبان میں شائع کیں اور ان کی 440500 کاپیاں تقریباً مفت تقسیم کیں۔ اسی طرح تعلیمی وظائف پر، جن میں مسلم اور غیر مسلم طلبہ دونوں برابر کے شریک ہیں، 1950ء سے 1960ء میں اس جماعت نے 31 ہزار روپیہ صرف کیا۔ خود قادیان میں ان کے تین مدرسے قائم ہیں۔ دو مڈل سکول لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے اور تیسرا مولوی فاضل کے نصاب تک۔ ان کے علاوہ تیرہ مدرسے ان کے ہندوستان کے مختلف مقامات میں ہیں جن پر جماعت کا ہزاروں روپیہ صرف ہو رہا ہے۔

اسی سلسلہ میں ایک اور بڑی خدمت جو صدقہ جاریہ کی حیثیت رکھتی ہے وہ قادیان کا شفاخانہ ہے۔ اس میں 1948ء سے اس وقت تک 346300 مریضوں کا علاج کیا گیا جن میں 30 فیصدی مسلمان اور 70 فیصدی غیر مسلم تھے۔

یہ ہیں وہ چند خدمات جماعت احمدیہ قادیان کی جن سے متاثر ہو کر 1948ء سے لے کر اس وقت تک قریب قریب ڈیڑھ لاکھ آدمیوں نے یہاں کے حالات کا مطالعہ کرنے کی تکلیف گوارا کی۔

یہاں میں نے کالج اور دارالاقامہ کی ان عظیم الشان عمارتوں کو بھی دیکھا[1] جنہیں بانیٔ تحریک احمدیت نے بڑے اہتمام سے تیار کروایا تھا۔ تقسیم ہند کے بعد ان پر جائیداد متروکہ کی حیثیت سے حکومت نے قبضہ کر لیا تھا لیکن اب یہ عمارتیں جماعت احمدیہ کے حق میں واگزار کر دی گئیں ہیں۔

جس وقت میں نے حضرت مرزا صاحب کے بیت الفکر، بیت الدعا، بیت الریاضت، مسجد نور، مسجد اقصیٰ اور منارۃ مسیح کو دیکھا تو ان کی وہ تمام خدمات سامنے آ گئیں جو تحفظ اسلام کے سلسلہ میں ایک غیر منقطع جدوجہد کے ساتھ ہزاروں مصائب جھیل کر انہوں نے انجام دی تھیں اور جن کے فیوض اس وقت بھی دنیا کے دور دراز گوشوں میں جاری ہیں۔

جس وقت میں قادیان پہنچا، اتفاق سے ایک جرمن احمدی ولیم ناصر بھی یہاں مقیم تھے۔ یہ ایک درویش صفت انسان ہیں جو مہینوں سے احمدیہ جماعت کے مختلف مرکزوں اور اداروں کے سیاحانہ مطالعہ میں مصروف ہیں۔ میں ان کو دیکھتا تھا اور حیرت کرتا تھا کہ جرمنی ایسے سرد ملک کا باشندہ ہندوستان کی شدید گرمی کو کس طرح خوش دلی سے برداشت کر رہا ہے۔ لیکن جب میں نے ان سے گفتگو کی تو معلوم ہوا کہ ان کو شدائد سفر کا احساس تک نہیں ہے۔ سچ ہے:

عشق ہر جا می برو ما را بہ ساماں می برد

میں نے ان سے پوچھا کہ انہوں نے عیسوی مذہب کو چھوڑ کر اسلام کیوں قبول کیا تو اس کا سبب انہوں نے ''اسلام کی بلند اخلاقی تعلیم'' ظاہر کیا۔ جس کا علم انہیں سب سے پہلے جرمنی کی جماعت احمدیہ کو دیکھ کر ہوا تھا۔ یہ جماعت بلاد مغرب و افریقہ میں جس جوش و انہماک کے ساتھ خدمت اسلام میں مصروف ہے اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ وہ دنیا کی مختلف زبانوں میں قرآن پاک کے تراجم حد درجہ سلیقہ اور اہتمام سے شائع کر رہے ہیں۔ چنانچہ انگریزی، جرمنی، ڈچ اور سواہلی زبان کے ترجمے خود میں نے بھی دیکھے اور ان کے اس عزم و ولولہ کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔

[1] کالج اور دارالاقامہ کی عمارتوں کی تعمیر خلافت اولیٰ اور ثانیہ کے عہد میں ہوئی۔ (مرتب)

میں نے یہاں سے رخصت ہوتے وقت اس قطعۂ زمین کو بھی دیکھا جہاں حضرت مرزا صاحب آسودۂ خواب ہیں اور ان کی وہ تمام مجاہدانہ زندگی سامنے آ گئی جس کی کوئی دوسری نظیر مجھے اس دور میں تو کہیں نظر آتی نہیں۔

کیست کز کوشش فرہاد نشاں باز دہد
مگر آں نقش کہ از تیشہ بخارا ماند

(منقول از ''نگار'' بابت ماہ ستمبر 1960ء صفحہ 21 تا 23)

احمدی جماعت
اور
الیاس برنی

''رہی برنی صاحب کی کتاب سو اس سے متعلق اس سے زیادہ کیا کہوں کہ جس حد تک بانیٔ احمدیت کی زندگی و تعلیم احمدیت کا تعلق ہے وہ تلبیس و کتمان حقیقت کے سوا کچھ نہیں اور مجھے سخت افسوس ہوتا ہے یہ دیکھ کر کہ احمدیت کے مخالفین مرزا غلام احمد صاحب سے بہت سی ایسی باتیں منسوب کرتے ہیں جو انہوں نے کبھی نہیں کہیں''

(نیاز فتحپوری)

ایک غیر از جماعت دوست سید نصیر حسین سہارنپوری نے علامہ نیاز فتح پوری کے جماعت احمدیہ کے متعلق مضامین کے بارہ میں جو خط تحریر کیا وہ اصل خط اور اس کا جواب علامہ موصوف نے ''باب الاستفسار'' میں تحریر فرمایا اور ان کے اعتراضات کا تفصیل سے جواب دیا اور خاص طور پر جماعت احمدیہ کے خلاف الیاس برنی کی کتاب ''قادیانی مذہب'' جس تلبیس اور کتمان پر مبنی ہے اسے نہایت ہی مختصر مگر جامع طور پر مبرہن فرمایا۔

(مرتب)

سید نصیر حسین، سہارنپور:

کچھ زمانہ سے آپ احمدی جماعت کی طرف داری میں اظہار خیال کر رہے ہیں۔ اور اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ان سے بہت متاثر ہیں لیکن شاید آپ کو معلوم نہیں کہ وہ غیر احمدی مسلمانوں کو کیا سمجھتے ہیں۔ وہ اس حد تک متعصب ہیں کہ عام مسلمانوں کے ساتھ ازدواجی تعلقات بھی ناجائز سمجھتے ہیں اور ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے۔ وہ اپنے سوا سب کو کافر کہتے ہیں اور نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اب رہا مرزا غلام احمد صاحب کا دعویٰ مہدویت و مسیحیت و نبوت سو اس کی بابت میں مشورہ دوں گا کہ آپ جناب الیاس برنی کی کتاب ''فتنۂ قادیانیت'' کا مطالعہ فرمایئے۔ اس کے پڑھنے سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ مرزا صاحب کے دعوے کتنے لغو و باطل تھے۔

نگار:

1۔۔۔ اس میں شک نہیں کہ میں احمدی جماعت سے کافی متاثر ہوں اور اس کا سبب صرف یہ ہے کہ اس وقت ان تمام جماعتوں میں جو اپنے آپ کو مسلمان کہتی ہیں، صرف احمدی جماعت ہی ایک ایسی جماعت ہے جس نے صحیح معنیٰ میں اسلام کی حقیقت کو سمجھا ہے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ آپ کی ساری دنیا نے اسلام کو چند مخصوص عقائد میں محدود کر دیا ہے اور اس سے ہٹ کر کبھی یہ غور کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی جاتی کہ اسلام کی ترقی اور مسلمانوں کے عروج کا تعلق صرف عقائد سے نہ تھا بلکہ اطوار و کردار اور حرکت و عمل سے تھا۔

محض یہ عقیدہ کہ ''اللہ ایک ہے اور رسول برحق'' اپنی جگہ بالکل بے معنی سی بات ہے، اگر اس سے ہماری اجتماعی زندگی متاثر نہیں ہوتی۔ اسی طرح مخصوص اوقات میں مخصوص انداز سے عبادت کر

لینا بھی بے سود ہے اگر وہ ہماری ہیئت اجتماعی پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ تاریخ و عقل دونوں کا فیصلہ یہی ہے۔ پھر غور کیجئے کہ اس وقت احمدی جماعت کے علاوہ مسلمانوں کی وہ کونسی دوسری جماعت ایسی ہے جو زندگی کے صرف عملی پہلو کو اسلام سمجھتی ہو اور محض عقائد کو مذہب کی بنیاد نہ قرار دیتی ہو۔

میں نے جب آنکھ کھولی، مسلمانوں کو باہم دست و گریباں ہی دیکھا۔ سنّی، شیعی، اہل قرآن، اہل حدیث، دیوبندی، غیر دیوبندی، وہابی، بدعتی اور خدا جانے کتنے ٹکڑے مسلمانوں کے ہو گئے جن میں سے ہر ایک دوسرے کو کافر کہتا تھا۔ اور کوئی ایک شخص ایسا نہ تھا جس کے مسلمان ہونے پر سب کو اتفاق ہو۔ ایک طرف خود مسلمانوں کے اندر اختلاف و تضاد کا یہ عالم تھا اور دوسری طرف آریائی اور عیسوی جماعتوں کا حملہ اسلامی لٹریچر اور اکابر اسلام پر۔ کہ اس زمانہ میں میرزا غلام احمد صاحب سامنے آ گئے اور انہوں نے تمام اختلافات سے بلند ہو کر دنیا کے سامنے اسلام کا وہ صحیح مفہوم پیش کیا جسے لوگوں نے بھلا دیا تھا یا غلط سمجھا تھا۔ یہاں نہ بوبکر و علی کا جھگڑا تھا، نہ رفع یدین و آمین بالجہر کا اختلاف، یہاں نہ عمل بالقرآن کی بحث تھی نہ استناد بالحدیث کی۔ اور صرف ایک نظریہ سامنے تھا اور وہ یہ کہ اسلام نام ہے صرف اسوۂ رسول کی پابندی کا اور اس عملی زندگی کا، اس ایثار و قربانی کا، اس محبت و رأفت کا، اس اخوت و ہمدردی کا اور اس حرکت و عمل کا جو رسول اللہ کے کردار کی تنہا خصوصیت اور اسلام کی تنہا اساس و بنیاد تھی۔

میرزا غلام احمد صاحب نے اسلام کی مدافعت کی اور اس وقت کی جب کوئی بڑے سے بڑا عالم دین بھی دشمنوں کے مقابلہ میں آنے کی جرأت نہ کر سکتا تھا۔ انہوں نے سوتے ہوئے مسلمانوں کو جگایا، اٹھایا اور چلایا یہاں تک کہ وہ چل پڑے اور ایسا چل پڑے کہ آج روئے زمین کا کوئی گوشہ نہیں جو ان کے نشانات قدم سے خالی ہو اور جہاں وہ اسلام کی صحیح تعلیم نہ پیش کر رہے ہوں۔

پھر ہو سکتا ہے کہ آپ ان حالات سے متاثر نہ ہوں لیکن میں تو یہ کہنے اور سمجھنے پر مجبور ہوں کہ یقیناً بہت بڑا انسان تھا وہ جس نے ایسے سخت وقت میں اسلام کی جانبازانہ مدافعت کی اور قرونِ اولیٰ

کی اس تعلیم کو زندہ کیا جس کو دنیا بالکل فراموش کر چکی تھی۔

رہا یہ امر کہ میرزا صاحب نے خود اپنے آپ کو کیا ظاہر کیا سو یہ چنداں قابلِ لحاظ نہیں۔ کیونکہ اصل سوال یہ نہیں ہے کہ انہوں نے آپ کو کیا کہا بلکہ صرف یہ کہ کیا کیا؟

اور یہ اتنی بڑی بات ہے کہ اس کے پیش نظر (قطع نظر روایات و اصطلاحات سے) میرزا صاحب کو حق پہنچتا تھا کہ وہ اپنے آپ کو مہدی کہیں کیونکہ وہ ہدایت یافتہ تھے۔ مثیلِ مسیح کہیں کیونکہ وہ روحانی امراض کے معالج تھے اور ظلّ نبی کہیں کیونکہ وہ رسول کے قدم بقدم چلتے تھے۔

2____ احمدی جماعت کا ایک خاص اصول زندگی ہے جس پر ان کے مرد، ان کے بچے اور ان کی عورتیں سب یکساں کاربند ہیں۔ اس لئے وہ کسی غیر احمدی مرد یا عورت سے رشتہ ازدواج قائم کریں گے تو ان کی اجتماعیت یقیناً اس سے متاثر ہوگی اور وہ یک رنگی و ہم آہنگی جو اس جماعت کی خصوصیت خاصہ ہے ختم ہو جائے گی۔ آپ اس کو تعصب کہتے ہیں اور میں اس کو اعتصام و فراست و تدبیر۔

رہی برنی صاحب کی کتاب سو اس کے متعلق اس سے زیادہ اور کیا کہوں کہ جس حد تک بانیٔ احمدیت کی زندگی و تعلیم احمدیت کا تعلق ہے وہ تلبیس و کتمان حقیقت کے سوا کچھ نہیں اور مجھے سخت افسوس ہوتا ہے یہ دیکھ کر کہ احمدیت کے مخالفین میرزا غلام احمد صاحب کی طرف بہت سی ایسی باتیں منسوب کرتے ہیں جو انہوں نے کبھی نہیں کہیں۔

خصوصیت کے ساتھ مسئلہ ختم نبوت کہ عام طور پر لوگ یہی کہتے ہیں کہ میرزا صاحب رسول اللہ کو خاتم النبیین نہیں سمجھتے تھے۔ حالانکہ وہ شدت سے اس کے قائل تھے کہ شرعی نبوت ہمیشہ کے لئے رسول اللہ پر ختم ہوگئی اور شریعت اسلام دنیا کی آخری شریعت ہے۔

(منقول از نگار ماہ اکتوبر 1960ء صفحہ 44،45)

میں اور احمدی جماعت

''میں ایک بار پھر نہایت صداقت کے ساتھ یہ ظاہر کر دینا چاہتا ہوں کہ میں تو ان کی عملی زندگی کا یقیناً مدّاح ہوں اور اگر میں بانیٔ احمدیت کی تعریف کرتا ہوں تو اس لئے کہ وہ مسلمانوں کو صحیح راستہ پر کھینچ لائے اور احساس اجتماعی کا وہ زبردست ولولہ اپنی جماعت میں پیدا کر گئے جس کی نظیر مسلمانوں کی کسی دوسری جماعت میں نہیں ملتی''

(نیاز فتحپوری)

علامہ نیاز فتح پوری نے جس واشگاف رنگ میں جماعت احمدیہ کے متعلق اپنے ماہنامہ ''نگار'' لکھنؤ میں اپنے خیالات کا اظہار فرمایا اس پر ملک کے طول عرض میں ایک ردّ عمل پیدا ہوا۔ اور آپ کو سینکڑوں خطوط موصول ہوئے جس میں آپ کے متعلق عجیب وغریب الزامات عائد کئے گئے ۔ چنانچہ ''نگار'' دسمبر 1960ء میں آپ نے ''باب مراسلہ والمناظرہ'' کے کالم میں ''میں اور احمدی جماعت'' کے عنوان سے ایک خط بطور نمونہ نقل کیا اور اس کا تفصیلی جواب تحریر فرمایا۔

(مرتب)

جب سے میں نے احمدی جماعت سے متعلق اظہار خیال شروع کیا ہے اس وقت سے مجھے یقین ہے کہ دنیا کو سب سے پہلے یہی جستجو ہوگی کہ وہ شخص جو اپنے عقائد کے لحاظ سے دہریہ یا ملحد قسم کا انسان ہے کیوں احمدی جماعت کی موافقت کر رہا ہے اور مرزا غلام احمد صاحب کا کیوں اس قدر معترف ہے اور اسی کے ساتھ میں یہ بھی جانتا تھا کہ اس کی جستجو میں کتنی بدگمانیاں شامل ہوں گی۔ چنانچہ اس دوران میں جو خطوط ہندوستان و پاکستان کے مختلف گوشوں سے موصول ہوئے ہیں ان سے میرے اس خیال کی تصدیق ہوتی ہے۔

نمونہ کے طور پر ایک خط ملاحظہ ہو۔ یہ خط چمن کے ایک صاحب شیخ عبداللہ کا ہے، لکھتے ہیں:

> ''اخبار والے ہمیشہ اس تاک میں رہتے ہیں کہ کوئی ایسا مضمون ہاتھ آجائے کہ خریداروں میں زبردست اضافہ ہو جائے۔ اس لئے آپ کی موجودہ قلابازی پر کوئی تعجب نہیں۔ پہلے بعض لوگوں کا خیال تھا کہ آپ دہریہ ہیں، اب یہ خیال ہے کہ آپ مرزائی قادیانی ہو گئے ہیں یا ان سے کوئی رشوتِ عظیم کھائی ہے۔ لہٰذا آپ کی باتیں کوئی وزن نہیں رکھتیں جب تک آیات قرآنی یا احادیث اس کی تائید میں نہ ہوں۔ آپ کا اگر ''نگار'' میں قادیانی حمایت کا ارادہ ہو تو قرآن و حدیث سے لیس ہو کر میدان میں آئیں''

اس سلسلہ میں تین الزام مجھ پر عائد کئے جاتے ہیں ایک یہ کہ اس سے میرا مقصود صرف ''نگار'' کی توسیع اشاعت ہے۔ دوسرے یہ کہ میں احمدی ہوں لیکن بدنامی کے اندیشہ سے اسے کھل کر ظاہر نہیں کرتا۔ تیسرے یہ کہ تبلیغ احمدیت کے لئے مجھے احمدی جماعت کی طرف سے (انہیں کے الفاظ میں) ''کوئی رشوتِ عظیم'' ملی ہے۔

ان میں کوئی خیال ایسا نہیں جو انوکھا ہو۔ کیونکہ دنیائے صحافت تبلیغ میں ایسی متعدد مثالیں مل جائیں گی کہ محض ذاتی اغراض کی بناء پر لوگوں نے اپنا Creed بدل دیا، اپنا مذہب بدل دیا، اپنی وطنیت وقومیت بدل دی لیکن جس حد تک ''نگار'' اور میری ذات کا تعلق ہے اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کہنا چاہتا کہ:

گفتہ بودی ہمہ زرق اند وفریب اند وفسوس
سعدی آں نیست ولیکن چوتو فرمائی ہست

ساری دنیا کو معلوم ہے کہ ''نگار'' کا ایک خاص حلقہ ہے جو ادب، سیاست و مذہب ہر چیز میں آزادیٔ فکر وخیال کے حامی ہیں۔ اس لئے اس وقت بھی جب پورے ہندوستان میں میرے اور ''نگار'' کے خلاف الزام دہریت والا طوفان برپا تھا ''نگار'' کی اشاعت پر کوئی اثر نہیں پڑا اور ایک اچھی خاصی جماعت میری ہمنوا ہوگئی۔

اس لئے ظاہر ہے کہ اس صورت میں حمایت احمدیت میں میرا کچھ لکھنا ''نگار'' کے لئے باعث نقصان ہی ہوسکتا تھا نہ کہ نفع بخش۔ کیونکہ اس طرح لوگوں کو یہ خیال پیدا ہوسکتا تھا کہ میں مذہب کے باب میں رجعت پسند ہوگیا ہوں اور وہ ''نگار'' سے دست کش ہوجاتے۔ بنا برآں یہ خیال کرنا کہ یہ سب کچھ میں توسیع واشاعت ''نگار'' کے لئے کررہا ہوں کسی طرح درست نہیں ہوسکتا۔

اب رہا یہ پہلو کہ اس سے مقصود یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس طرح احمدی جماعت میں ''نگار'' کے زیادہ خریدار پیدا ہوجائیں گے سو یہ بھی نہایت کمزور پہلو ہے۔ کیونکہ اول تو احمدی جماعت کو اس کی چنداں ضرورت ہی نہیں کہ میں یا کوئی اور ان کا پروپیگنڈا کرے۔ دوسرے یہ کہ احمدی جماعت مشکل ہی سے یہ باور کرسکتی ہے کہ میں کسی وقت احمدی ہوسکتا ہوں کیونکہ جس حد تک عقائد کا تعلق ہے، میرے اور ان کے درمیان کافی اختلاف ہے۔ رہی تیسری بات ''رشوت عظیم'' کی سو اس سلسلہ میں سب سے پہلے یہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ انہیں رشوت دینے کی ضرورت کیا ہے جبکہ ان کے

سارے کام بغیر رشوت کے ہی اچھی طرح چل رہے ہیں۔ دوسرے یہ کہ حقیقت کے لحاظ سے بھی یہ الزام بالکل غلط ہے اور میرا یہ کہنا غلط نہیں ہوسکتا کیونکہ بصورت دیگر کم از کم احمدی جماعت تو یقیناً سمجھ جاتی کہ میں کس قدر جھوٹا اور لغو انسان ہوں کہ باوجود رشوت لینے کے میں اس سے انکار کر رہا ہوں اور میں ان کی نگاہ میں اپنے آپ کو ذلیل کرنا پسند نہیں کرتا۔

بہر حال اس قسم کی بدگمانیوں کی پرواہ کئے بغیر میں ایک بار پھر نہایت صداقت کے ساتھ یہ ظاہر کر دینا چاہتا ہوں کہ میں تو ان کی عملی زندگی کا یقیناً مداح ہوں اور اگر میں بانیٔ احمدیت کی تعریف کرتا ہوں تو اسی لئے کہ وہ مسلمانوں کو صحیح راستہ پر کھینچ لائے اور احساس اجتماعی کا وہ زبردست ولولہ اپنی جماعت میں پیدا کر گئے جس کی نظیر مسلمانوں کی کسی دوسری جماعت میں نہیں ملتی۔

رہا یہ مطالبہ کہ میں قرآن اور حدیث کی روشنی میں اس جماعت کے معتقدات پر گفتگو کروں۔ سو اس مطالبہ پر مجھے سخت حیرت ہے کیونکہ جب تک پہلے یہ نہ ثابت کر دیا جائے کہ احمدی جماعت قرآن و حدیث کی تعلیمات سے منحرف ہے اس وقت تک قرآن و حدیث سے استدلال کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ میں تو علی الرغم اس الزام کے یہ دیکھتا ہوں کہ قرآن و حدیث کی تعلیمات پر عمل کرنے کا جو جذبہ ان میں پایا جاتا ہے وہ دوسری مسلم جماعتوں میں نظر ہی نہیں آتا۔

سب سے بڑا الزام جو ان پر عائد کیا جاتا ہے یہ ہے کہ وہ ختم نبوت کے قائل نہیں ہیں۔ حالانکہ اس سے زیادہ لغو و غلط بات کوئی اور ہو ہی نہیں سکتی۔ مرزا غلام احمد صاحب نہ صرف یہ کہ رسول اللہ کو خاتم النبیین سمجھتے تھے بلکہ شریعت رسول کو بھی آخری شریعت تسلیم کرتے تھے۔ حیرت ہے کہ لوگوں کو ان کی طرف سے کیوں یہ غلط خیال قائم ہو گیا اور ان کی تصنیفات کا مطالعہ کئے بغیر محض دوسروں کے کہنے پر کیوں یقین کر لیا گیا؟

اس سلسلہ میں ایک بات ضرور بحث طلب ہے کہ مہدی موعود یا مثیل مسیح ہونے کے سلسلہ میں انہوں نے جو کچھ کہا ہے وہ کسی حد تک قابل قبول ہے۔ سو میں اس کو زیادہ اہمیت نہیں دیتا کیونکہ اگر

میں ان روایات کو درست نہ سمجھوں جو مہدیٔ موعود اور ظہور دجّال کے متعلق بیان کی جاتی ہیں تو بھی یہ حقیقت بدستور اپنی جگہ قائم رہتی ہے کہ مرزا صاحب نے اسلام کی بڑی گراں قدر خدمات سرانجام دی ہیں۔اور اصل چیز یہی ہے۔

جس حد تک عقائد کا تعلق ہے عامۃ المسلمین اور ان کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔دونوں خدا کی وحدانیت کے قائل ہیں۔دونوں رسول اللہ کو خاتم النبیین سمجھتے ہیں۔دونوں قرآن کو خدا کا کلام جانتے ہیں۔دونوں استناد بالحدیث پر عامل ہیں۔دونوں بقاءِ روح ، حیات بعد الموت ، حشر ونشر ، جزا وسزا ، بہشت و دوزخ اور معجزہ وغیرہ کے قائل ہیں۔اس لئے عام مسلمانوں کو تو ان کے خلاف کہنے کا موقعہ ہی نہیں۔

رہی یہ بات کہ آپ کیوں یہ مان لیں کہ مرزا صاحب مجدد تھے، مہدیٔ موعود تھے، مثیلِ مسیح تھے وغیرہ وغیرہ۔سو اول تو مذہب سے اس کا کوئی تعلق نہیں اور اگر ہو بھی تو انکار کے لئے آپ کے پاس کوئی معقول وجہ نہیں۔سوا اس کے کہ آپ یہ کہیں کہ ''ایسا یقین کرنے کو میرا جی نہیں چاہتا'' برخلاف اس کے کہ وہ اپنے دعویٰ کے ثبوت میں متعدد روایات ایسی پیش کرتے ہیں جن کی صحت سے آپ کو بھی انکار نہیں۔اور پھر اس کو جانے دیجئے خود مرزا صاحب کی زندگی اور ان کا کردار بجائے خود ان کے دعوے کا بڑا زبردست ثبوت ہے۔مشکل تو میرے لئے یہ ہے کہ میرے نزدیک خدا ، رسول ، قرآن ، معجزہ ، روح ، معاد ، وحی والہام وغیرہ تمام مسائل کا مفہوم کچھ اور ہے جو یقیناً احمدی وغیر احمدی دونوں جماعتوں سے بالکل علیحدہ ہے۔لیکن آپ باوجود اس کے کہ مرزا صاحب کو برا کہنے کی کوئی دلیل اپنے پاس نہیں رکھتے ، ان کے مخالف ہیں۔اور میں کہ ان کے بہت سے معتقدات کا اصولاً قائل نہیں ، ان سے محبت کرتا ہوں۔ان کی بڑی عظمت اپنے دل میں پاتا ہوں۔میں ان کو بہت بڑا انسان سمجھتا ہوں۔ایسا کیوں؟ غالباً اس لئے کہ آپ حقیقت کو ڈھونڈتے ہیں کتابوں میں ، مَیں اس کی جستجو کرتا ہوں دلوں میں اور مرزا غلام احمد صاحب کے دل میں مَیں نے اس حقیقت کو جلوہ گر پایا ہے۔

مجھے روایات میں نہ الجھایئے ورنہ میں پھر وہی عقل ہرزہ کار کی باتیں شروع کر دوں گا جو 40 سال کی کوشش کے بعد بھی نہ مجھے انسان بنا سکیں نہ کسی اور کو۔ حالانکہ مرزا صاحب نے اپنی بہت سی سمجھ میں نہ آنے والی باتوں ہی سے نہ جانے کتنے حیوانوں کو انسان بنا دیا۔

"**وشتّان ما بین الخل و الخمر**"

(منقول از ''نگار'' ماہ دسمبر 1960ء صفحہ 28 تا 30)

مرزا غلام احمد صاحب

اور

تحریک احمدیت

’’مجھے سخت حیرت ہوتی ہے کہ لوگ مرزا صاحب کو برا کہتے ہیں صرف اس بناء پر کہ انہوں نے مہدئ موعود، مثیلِ مسیح اور ظلّی نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور کبھی اس کا اعتراف نہیں کرتے کہ انہوں نے مسلمانوں میں کیسی باعمل جماعت پیدا کر دی‘‘

(نیاز فتحپوری)

غلام محمد شاہ صاحب کشمیری ایم اے، ایل ایل بی فائنل مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے ایک تفصیلی خط مکرم علامہ نیاز فتح پوری کو تحریر فرمایا جس میں جماعت کے متعلق متعدد خدشات کا اظہار کیا۔ ان تمام امور کے علامہ موصوف نے نہایت ہی جچے تلے اور مختصر انداز میں جوابات تحریر فرمائے جو آپ کی علمی قابلیت اور عظیم تنقیدی نظر کا واضح ثبوت ہیں۔ ان جوابات سے متعدد ایسی غلط فہمیوں کا ازالہ ہوتا ہے جو دانستہ یا نادانستہ طور پر جماعت کے متعلق پھیلائی جاتی ہیں۔

نوٹ: علامہ نیاز صاحب نے غلام محمد شاہ صاحب کے خط کا نمبروار تجزیہ کیا ہے اس لئے نمبر کے بعد کی عبارت شاہ صاحب کی ہے اور نگار کے بعد علامہ صاحب کا جواب ہے۔

(مرتب)

غلام محمد شاہ کشمیری

(ایم اے ایل ایل بی فائنل مسلم یونیورسٹی علی گڑھ)

مکرمی قبلہ نیاز صاحب

سلام مسنون!

سوالات ونگار کی طرف سے جوابات:

1___ میں دس سال سے ''نگار'' کا باقاعدہ مطالعہ کررہا ہوں اور ہر ماہ اس کا بے چینی سے انتظار کرتا ہوں۔ آپ جس بے باکی سے اپنی بات کہتے ہیں اور جس ہمت سے اسے پیش کرتے ہیں وہ قابل تعریف ہے خواہ راستہ غلط ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن آپ جسے درست خیال کرتے ہیں اس کا اظہار برملا کرتے ہیں۔

جن دنوں میرا رجحان کمیونزم کی طرف تھا میں ''نگار'' کے ایک ایک لفظ سے متفق تھا۔ لیکن روحانی بے چینی اور ذہنی انتشار کمیونزم کی لازمی پیداوار ہے۔ اسی انتشار نے آہستہ آہستہ میرا روحانی سکون سلب کرلیا تھا اور میں پھر حقیقت کی تلاش میں سرگردان رہا۔ انہیں دنوں میں احمدی جماعت سے میری دلچسپی بڑھنے لگی۔ ایک احمدی صاحب سے کتابیں ملتی رہیں جو ایک ''صحابہ مرزا صاحب'' کے فرزند تھے۔ میں شوق وذوق سے مطالعہ میں غرق ہوگیا لیکن میری رہنمائی اس دوست کے گھریلو ماحول نے کی۔ سب بیٹے باپ سے الگ۔ جس باپ کو فخر تھا کہ اس نے مرزا صاحب کو دیکھا ہے اور جس کے لئے اب رضی اللہ عنہ لکھا جاتا ہے اسی باپ کو یہ احمدی بیٹے طرح طرح کی تکالیف پہنچاتے رہے۔ اس نے میرے ذہنی انتشار کو اور بھی بڑھا دیا اور میں نے بہائی تحریک کی طرف رجوع کیا لیکن معلوم ہوا کہ یہاں اس جماعت میں صرف وہ احمدی ہیں جو احمدیت چھوڑ کر بہائی بن گئے ہیں۔ اس احمدیت کی دوسری اسٹیج سے خدا خدا کرکے میں بچ کے نکل گیا۔

نگار:

حیرت ہے کہ احمدی جماعت کے صرف چند افراد کے اخلاق دیکھ کر آپ میں ذہنی انتشار پیدا ہو گیا۔ احمدی جماعت فرشتوں کی جماعت نہیں کہ اس کے تمام افراد معصوم اور بے گناہ ہوں۔ اگر بعض افراد کسی جماعت کے بداخلاق ہوں تو اس کے معنی یہ نہیں کہ ساری جماعت اور اس کی تعلیم ہی کو ناقص قرار دیا جائے۔ کیا عہد نبوی اور عہد خلافت راشدہ میں منافق نہ پائے جاتے تھے اور کیا آپ (اس) حقیقت کے پیش نظر عہد سعادت کی تعلیم کو بھی احمدیت کی طرح ناقص قرار دیں گے؟

2۔۔۔ اسلام جو قرون اولیٰ میں ایک سادہ، پاکیزہ، متحرک اور ہمہ گیر مذہب تھا بعد کے ادوار میں صوفیوں، ایجاد پسند اور ملاؤں کا شکار ہوتے ہوتے تفاسیر اور عجائبات کا پلندہ ہو کر رہ گیا۔ قرون اولیٰ (میں) اگر نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج کو عملاً قائم کیا جاتا تھا تو دلوں میں محبت و رافت کی شمع بھی روشن رہی تھی لیکن اس کے بعد نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور اسلام کی سیاسی اسپرٹ کی اہمیت کو کم کرنے کے لئے کہا گیا کہ خدا کے بندوں سے عرف ہمدردی رکھنا ہی اسلام ہے اور آخر کار صوفی لوگوں نے ترک دنیا کا نام ہی عبادت رکھا اور اس مہلک نظریہ کو ''طریقت'' کا خوشنما لباس پہنا دیا۔

میرے نزدیک اسلام ایک سیاسی، سماجی، معاشی اور مذہبی دستور ہے جو نوع انسانی کو صرف ایک اللہ کی بندگی کی طرف بلاتا ہے اور سیاسی و سماجی طور پر وہ ایسی سوسائٹی تعمیر کرنا چاہتا ہے جو سراسر پاکیزہ، سادہ، متبرک اور ہمہ ہو۔ انسانی رواداری کا عملی نمونہ ہو اور اس کے ساتھ ساتھ اسلام اس سوسائٹی کے افراد کو روحانی تربیت بھی دینا چاہتا ہے۔ متحرک Diciplined بھی بنانا چاہتا ہے اور ان تمام چیزوں کو ایک مرکزی حیثیت دینا چاہتا ہے۔ اس کے لئے اسلامی دستور (قرآن) میں عبادات کے مختصر مگر جامع ہدایات بھی صاف الفاظ میں بیان کر دیئے گئے ہیں۔ خشک تصوف، آستانے، سجادے، زیارت گاہیں، درویشوں قلندروں اور فقیروں والی لمبی تسبیحیں، مقبرے، مناقب اور قصیدہ خوانی، طریقت، حقیقت اور فناء کی تین صورتیں ذہنی بحران اور روحانی انتشار کی

منزلیں ہیں ۔فراریت، جہالت، تاویلات اور اندھی تقلید انہیں چیزوں کا نتیجہ ہیں ۔ اور امام مہدی کے ظہور کا تخیل ان تمام جہالتوں کی انتہاء ہے۔

نگار:

آپ کا فرمانا بالکل درست ہے لیکن آپ کو یہ سن کر حیرت ہو گی کہ آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ بالکل وہی ہے جو احمدی جماعت کہتی ہے اور وہ غالباً آپ سے زیادہ اس نام نہاد تصوف کی مخالف ہے۔

3۔ ظہور مہدی کی کوئی بھی تاویل ہو، بیسویں صدی کے انسان کے دماغ کے لئے قابل قبول نہیں ۔ یہ صرف ذہنی انتشار کا نتیجہ ہے جس کو عملی صورت دینے کے لئے اموی اور عباسی حکمرانوں اور بعد کے مسلمان بادشاہوں نے ملاؤں کے ذریعہ حدیثیں وضع کرالیں اور اسی تخیل نے خارجیت کو شیعت میں تبدیل کر دیا اور اسی نے بہاء اللہ کو بارھواں امام بنا دیا اور اسی نے مرزا غلام احمد کو مجدد، مسیح، ظل محمد اور مہدی بنا دیا اور اسی کے دم سے آج بھی چمن بشیشو رزندہ ہیں ۔

نگار:

ظہور مہدی کے باب میں میرا خیال بھی وہی ہے جو آپ کا ہے مگر غیر احمدی مذہبی علماء بھی ظہور مہدی کی روایات کے قائل ہیں ۔ اس لئے وہ مرزا غلام احمد صاحب کی مہدویت سے اس بناء پر انکار نہیں کر سکتے کہ ظہور مہدی کی روایات غلط ہیں ۔ پھر چونکہ مرزا صاحب بھی ظہور مہدی کی پیشگوئی کو غلط نہیں سمجھتے تھے یا انہوں نے (یہ جانتے ہوئے کہ واقعی مہدی موعود نہیں ہیں) مہدویت کا جھوٹا دعویٰ کیا۔

اگر ہم تھوڑی دیر کے لئے تسلیم کر لیں کہ وہ واقعی اپنے آپ کو موعود نہیں سمجھتے تھے بلکہ روایات سے ناجائز فائدہ اٹھا کر انہوں نے لوگوں کا دھوکا دینے کے لئے یہ دعویٰ کیا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ

بڑے مکار انسان تھے اور مکروفریب کا یہ جال انہوں نے محض ذاتی اور دنیاوی اغراض کے حصول کے لئے پھیلایا تھا۔

دیکھئے یہی وہ نازک مقام ہے جہاں میری اور آپ کی راہیں جدا ہو جاتی ہیں آپ چونکہ ظہور مہدی کی روایات کو غلط سمجھتے ہیں اس لئے مرزا صاحب کے دعویٰ مہدویت کو سن کر فوراً حکم لگا دیتے ہیں کہ انہوں مکروفریب سے کام لیا اور میں باوجود ان روایات کو غلط سمجھنے کے مرزا صاحب کو کذب و دروغ کا مرتکب قرار نہیں دیا کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ ممکن ہے وہ اپنے آپ کو واقعی مہدی موعود سمجھتے ہوں اور اسی یقین کی بناء پر انہوں نے یہ دعویٰ کیا ہو۔ اسی صورت میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے ایک غلط بات کو صحیح سمجھا نہ یہ کہ غلط بات کو غلط جان کر اس کی صحت کا دعویٰ کیا۔ ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔

اب آیئے ایک دوسرے زاویہ سے اس مسئلہ پر غور کریں......جیسا کہ میں نے ابھی ظاہر کیا اگر آپ کا یہ الزام صحیح تسلیم کر لیا جائے کہ مرزا صاحب کا دعویٰ مہدویت سراسر مکر فریب تھا تو لازماً یہ ماننا پڑے گا کہ یہ بہت بڑا مکروفریب تھا اور جو شخص اپنے مشن کی بنیاد ہی ایسے کذب و دروغ پر قائم کرے گا وہ یقیناً بڑے ہی پست اخلاق کا مالک ہوگا اور اس کی زندگی کا مقصود اس کے سوا اور کچھ نہ ہوگا کہ وہ لوگوں کو دھوکا دے کر دنیا کمائے اور عیش وتنعم کی زندگی بسر کرے۔ حالانکہ مرزا صاحب کی زندگی میں کوئی ایک واقعہ بھی ایسا پیش نہیں کیا جا سکتا جس سے تاویل بعید کے (ذریعہ) بھی یہ ثابت ہو سکے کہ وہ خود غرض، مطلب پرست اور طامع انسان تھے انہوں نے جس وقت احمدیت کی تبلیغ شروع کی اسی وقت صاف صاف کہہ دیا کہ ان کا مقصود اس تحریک سے صرف عملی تعلیمات اسلام کو زندہ کرنا ہے اور اس مقصود کی تکمیل میں دن رات منہمک رہے۔ آپ کو غالباً اس سے انکار نہ ہوگا کہ اس تحریک کے سلسلہ میں انہیں کن کن مصائب کا مقابلہ کرنا پڑا۔ کیسے کیسے خارزاروں سے گزرنا پڑا۔ لیکن کبھی ہمت نہیں ہاری اور آخر کار ان کا جذبہ، خلوص اور صداقت کامیاب ہو کر رہا۔

مجھے سخت حیرت ہوتی ہے کہ لوگ مرزا صاحب کو برا کہتے ہیں صرف اس بناء پر کہ انہوں نے مہدی موعود، مثیل اور ظل نبی ہونے کا دعویٰ کیا اور کبھی اس کا اعتراف نہیں کرتے کہ انہوں نے مسلمانوں میں کیسی زبردست باعمل جماعت پیدا کردی۔

4___ نگار نومبر و دسمبر 1960ء میں آپ نے احمدی جماعت کے بارے میں اپنے خیالات اظہار فرمائے ہیں۔ جہاں تک سید نصیر حسین صاحب کے خط کا تعلق ہے وہ اخلاق کی حدوں سے آگے نہیں بڑھے ہیں۔لیکن شیخ عبداللہ صاحب نے چمن کی باشندگی کا ثبوت دیتے ہوئے جو ''گل افشانیاں'' کی ہیں وہ آپ نے جس طرح قبول کر لی ہیں اس کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا......آپ کی وسعت قلبی قابل ستائش ہے۔

تنقیح اسلام نمبر 58ء میں آپ نے اسلام کے عقائد کو جس انداز میں پیش کیا ہے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ اسلام کو ہمہ گیر تعلیم سمجھتے ہیں لیکن جس ''اسلامی اطوار و کردار اور حرکت و عمل'' کا آپ احمدی جماعت کے حق میں ذکر کر رہے ہیں وہاں آپ کھلی چھٹی دیتے ہیں۔اگر آپ کے خیالات جو عبادات اسلام کے بارے میں ہیں صحیح مان لئے جائیں تو پھر اسلام تصوف کا پلندہ اور صوفیائے خشک کا مذہب بن کر رہ جاتا ہے۔اور میرے خیال میں یہی چیز ہے جو آپ کو احمدی جماعت کی طرف کشش کرتی ہے۔

نگار:

آپ کا یہ ارشاد بالکل میری سمجھ میں نہیں آیا۔ میں نے تنقیح اسلام نمبر میں صرف ایک ہی چیز کو ظاہر کیا ہے اور وہ یہ کہ اسلام یکسر عملی مذہب تھا اور محض ذہنی معتقدات پر اس کی بنیاد قائم نہ تھی۔ یہی بات میں نے احمدی جماعت کی بابت بھی ظاہر کی ہے کہ اس وقت تمام مسلم جماعتوں میں وہی ایک جماعت ایسی ہے جسے ہم صحیح معنی میں باعمل کہہ سکتے ہیں میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس میں تصوف کی کون سی بات آپ کو نظر آئی میں نے جو کچھ کہا ہے وہ بالکل تصوف کے منافی ہے نہ کہ بقول آپ کے

''تصوف کا پلندہ''۔

5۔ احمدیت،تصوف جامد کی ترقی پسند مگر جاہلانہ شکل ہے۔اگر یہ تصوف کی تحریک ہوتی تو بہت کامیاب ہوجاتی......اس کی سب سے بڑی خامیاں یہ ہیں کہ اس نے انسانی سوسائٹی کو اسلامی سیاست اور ہمہ گیریت سے بیگانہ اور بے نیاز کر دیا۔اس نے اسلام کی مجاہدانہ حرارت کو''عدم تشدد'' کا برگ حشیش پلا دیا اور تیز و دُور رس نظروں کو خمار آلودہ بنا کر ذہنوں پر جمود مسلط کر دیا اور اللہ کی خلافت الارض کو اور لوکل بنا دیا۔یہی وجہ ہے مرزا صاحب کا مجدد سے مسیح ناصری،مہدی موعود اور ظلی محمد بن جانا۔آپ فرماتے ہیں کہ ہمیں اس سے غرض نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو کیا ظاہر کرتے ہیں۔کوئی معقول جواب اور جواز نہیں ہے انسانی دماغ ہر شے سے اثر حاصل کرتا ہے یہ نفسیاتی تقاضہ ہے کہ ہم کسی شخص کی بات کو جانچنے سے پہلے اس کی سیرت اقوال،اس کا اٹھنا بیٹھنا،طرز معاشرت،ایفائے عہد اور لوگوں سے اس کے معاملات کو دیکھتے ہیں۔اگر کوئی شخص پہلے ایک بات کہہ کر اس کی تردید ببانگ دہل کرے لیکن پھر وہی بات کہہ دے تو وہ کسی صورت میں صدیق مانا جائے گا۔

نگار:

حیرت ہے کہ ایک طرف آپ احمدیت کو تصوف جامد بھی کہتے ہیں اور دوسری طرف ترقی پسند بھی۔پھر اس کے ساتھ آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ وہ صرف تصوف کی تحریک ہوتی تو کامیاب ہو جاتی۔آگے چل کر یہ بھی ارشاد ہوتا ہے کہ یہ تحریک پیری مریدی کے فرسودہ طریقے سے آگے نہ بڑھ سکی۔آپ کی اس جامع اضداد تحریر سے آپ کی ذہنی تشویش تو ضرور ظاہر ہوتی ہے لیکن اس سے یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ آپ دراصل کہنا کیا چاہتے ہیں۔آپ نے رواداری میں اس پر عدم تشدد کی''حشیش'' پلا دینے کا بھی الزام عائد کیا ہے اور خلافۃ اللہ کو لوکل بنا دینے کا بھی لیکن اس کی کوئی معقول دلیل پیش نہیں کرتے اور آپ صرف مرزا صاحب کے دعویٰ مہدویت کو اس کی اصل وجہ قرار

دیتے ہیں۔درآنحالیکہ سچ پوچھے تو ان کے اس دعویٰ نے اس تحریک میں جان ڈالی اور اگر یہ کوئی نفسیاتی تدبیر تھی تو آپ کو ماننا پڑے گا کہ مرزا صاحب بڑے زبردست ماہر نفسیات بھی تھے۔آخر میں آپ نے ایک بڑی معقول بات لکھی ہے کہ کسی شخص کی بات کو جانچنے کے لئے اس کی سیرت، اس کے اقوال وافعال اور لوگوں کے ساتھ اس کے معاملات کو بھی دیکھنا چاہئے۔میں بھی لفظ بہ لفظ اس اصول کا پابند ہوں۔لیکن فرق یہ ہے کہ آپ اس اصول کے پیش نظر مرزا صاحب کے کردار کا مطالعہ کئے بغیر ان کو مورد الزام قرار دیتے ہیں اور میں ان کے اخلاق کا مطالعہ کرنے کے بعد ان کی عظمت کا اعتراف کرتا ہوں۔اگر آپ تکلیف فرما کر کچھ مثالیں ایسی بھی پیش کر دیتے جن سے مرزا صاحب کی سیرت کا داغدار ہونا ثابت ہوسکتا ہے تو میں یقینا آپ کا ہمنوا ہوجاتا۔لیکن میں سمجھتا ہوں کہ آپ کو ان کے حالات زندگی میں کوئی بات ایسی ملی نہیں ورنہ آپ یقینا بڑے زور شور کے ساتھ ظاہر کر دیتے محض مہدی موعود یا مثیل ہونے کا دعویٰ کرنا تو خرابی کردار نہیں جب تک آپ یہ ثابت نہ کریں کہ یہ دعویٰ کرکے وہ فلاں فلاں اخلاقی معصیت میں مبتلا ہوئے۔

6___ مرزا صاحب نے تاریخی حالات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسلام کے بہت سے اصولوں کو مسخ کر دیا۔میں جہاد کو اندھا دھند جنگ یا لوٹ مار نہیں سمجھتا ہوں۔جائز حالات میں اگر مسلمان اپنے بچاؤ کے لئے اور اللہ کے دین کی حفاظت کے لئے تلوار نہ اٹھائے تو یہ اس کے کریکٹر کی انتہائی پستی ہے۔اور اگر مسلمان قرآنی دستور کو سوسائٹی کے تمام افراد پر اور تمام شعبہ ہائے حیات میں نافذ کرنے کی کوشش نہ کرے اور اس کے علی الرغم اس سے فرار ہونے کے لئے جواز ڈھونڈ ڈھونڈ کر لائے تو اس قرآن اور رسول پر اس سے زیادہ ظلم کیا ہوسکتا ہے لیکن مرزا صاحب کے ہاں اسلام کے بہت سے ایسے ہی اصول یکسر نظر انداز کر دیئے گئے ہیں اور کئی اصولوں کی اسی طرح غلط ترجمانی کی گئی ہے کہ خود قرآن کی روح بھی مضطرب ہو چکی ہوگی۔آپ کا یہ ارشاد کہ احمدی جماعت اسلام کو عملاً قائم کر رہی ہے اور اسی کو اپنے اطوار کردار اور حرکت وعمل سے ثابت کر رہی ہے اس بارے میں

عرض ہے کہ آپ نے صرف ان کی (ماڈرن تھیوری) کو دیکھ کر ایسی بات کہہ دی ہے۔ عامۃ المسلمین سے یہ زیادہ اچھے نہیں ہیں۔ یہ نمازیں پڑھتے ہیں، روزے رکھتے ہیں تو وہ بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔ وہ بھی توہمات میں پھنسے ہیں اور یہ بھی۔ اب رہا ان کا محبت ورافت اور جماعتی بھائی چارہ کا ڈھکوسلہ سو خود ان کی جماعت مرزا صاحب کی آنکھیں بند کرتے ہی اختلاف کا شکار ہوگئی اور ایک دوسرے پر اتنا گند اچھالا ہے کہ شیطان بھی کوسوں دور بھاگتا ہے۔

نگار:

اس سے زیادہ غلط بیانی اور کیا ہوسکتی ہے کہ آپ مرزا صاحب پر بہت سے اصول اسلام مسخ کر دینے کا الزام قائم کرتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ خود اصول اسلام سے واقف نہیں۔ اعتقادی حیثیت سے اسلام نام ہے صرف اللہ، رسول، کتب الہامی، ملائکہ اور بعث بعد الموت پر ایمان لانے کا اور عملی حیثیت سے نماز، روزہ زکوٰۃ حج اور جہاد فی سبیل اللہ کا سو مجھے بتایئے کہ مرزا صاحب نے ان میں کن کن باتوں کو مسخ کیا ہے۔ وہ نظریاتی حیثیت سے ان تمام باتوں کے اسی طرح قائل ہیں جس طرح عامۃ المسلمین۔ رہی عملی حیثیت، سو غالباً آپ کو بھی اس سے انکار نہ ہوگا کہ مسلمانوں میں کوئی جماعت احکام اسلامی کی اتنی پابند نہیں جتنی احمدی جماعت۔ رہا مسئلہ جہاد، سو اس باب میں بھی ان کا مسلک عین قرآنی تعلیم کے موافق ہے...... جہاد ہمیشہ اپنی ذات سے شروع ہوتا ہے......اور وہ جہاد جس کا مفہوم عام طور پر جنگ کیا جاتا ہے وہ بھی دفاعی معنی میں فرض ہے۔ قرآن نے جارحانہ جنگ کو کبھی جائز نہیں سمجھا اور اگر آپ عہد نبوی اور عہد خلافت کی تاریخ کا مطالعہ کریں گے تو آپ کو کوئی مثال جارحانہ جنگ نہ ملے گی۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کبھی اشاعت اسلام کے لئے تلوار نہیں اٹھائی اور نہ خلفاء راشدین نے ملک گیری کے لئے کسی قوم پر حملہ کیا۔ آپ عہد خلفاء کے بعد کا زمانہ سامنے نہ رکھئے، وہ زمانہ حکومت اسلام کا تھا اسلام کے اقتدار کا نہ تھا۔

مرزا صاحب نے اگر انگریزوں کے خلاف جہاد بالسیف کی ممانعت کی تو وہ عین شریعت اسلامی

کے مطابق تھی کیونکہ انگریزوں کے زمانہ میں تمام مسلمان شعائر اختیار کرنے کے لئے آزاد تھے اور ہنداستان کو دارالحرب سمجھ کر اس کے خلاف جہاد کرنے کی کوئی وجہ جواز موجود نہ تھی۔

اس عہد میں اگر کوئی جہاد ہوسکتا تھا تو وہ صرف تبلیغ حق وصداقت کا جہاد تھا اور اس سلسلہ میں مرزا صاحب نے جس طرح غیر مسلموں کا مقابلہ کیا ہے اس سے آپ بھی انکار نہیں کرتے۔

افسوس ہے کہ اس سلسلہ میں آپ نے تفصیل کے ساتھ نہیں بتایا کہ مرزا صاحب نے اسلام کے کن اصولوں کی غلط ترجمانی کی اور وہ کن توہمات میں مبتلا تھے ورنہ میں شائد زیادہ وضاحت کے ساتھ اپنی رائے پیش کرسکتا۔

رہا مرزا صاحب کے بعد احمدی جماعت کا باہمی اختلاف ہوا۔اس کا نہ مرزا صاحب کی ذات سے کوئی تعلق ہے اور نہ تعلیم احمدیت سے۔یہ جماعت کے بعض مخصوص افراد کا اختلاف ہے جو نہ ہوتا تو بہتر تھا۔

7۔۔۔ رہا ان کا اجتماعی نظام وہ بوہرہ اور اسماعیلیہ شیعوں سے زیادہ کمزور ہے ان میں احمدیت سے کم کمزوریاں ہیں احمدی جماعت ہر مسلمان جابر کو بلاچون وچرا تسلیم کرلیتی ہے۔اگر متذکرہ بالا فرقے بھی اسلامی سیاسی بنیادوں پر سوسائٹی تعمیر نہ کرسکے تو احمدیت بھی اس سے کوسوں دور ہے۔

مجھے اس بات میں آپ سے اتفاق ہے کہ محض عقائد ہی اسلام نہیں ہے۔اگر صرف زبان سے خدا کو خالق و مالک اور رسول کو صدیق اور برحق مانا جائے تو یہ اسلام نہیں ہے بلکہ اللہ اور رسول کی توہین ہے۔آپ نے لکھا ہے کہ احمدی لوگ عملاً اسلام پیش کررہے ہیں۔

لیکن سوال یہ ہے کہ انہوں نے کون سے کار ہائے نمایاں انجام دیئے ہیں کونسی اپنی اسلامی سوسائٹی تعمیر کی ہے جو ممتاز ہو اور جس کے بارے میں یہ کہا جاسکے کہ یہ وہ تحریک ہے جس سے پورے ہندوستان میں بلکہ ایشیا کی تاریخ متاثر ہوگی۔

نگار:

احمدی جماعت نے اس وقت تک اسلام کی جتنی وزنی خدمت انجام دی ہے اس کا اندازہ اس جماعت کی سالانہ رپورٹوں سے بخوبی معلوم ہوسکتا ہے۔ اُنہوں نے دنیا کے مختلف گوشوں میں مبلغین بھیج کر قرآن وتعلیمات قرآن کی حقیقت غیر مسلموں پر واضح کی۔ لاکھوں روپیہ صرف کر کے مختلف زبانوں میں قرآن کے تراجم مفت تقسیم کئے۔ بہت سے نادار طلباء کے وظائف مقرر کر کے ان کو اعلیٰ تعلیم دلوائی۔ متعدد شفاخانے قائم کر کے بلا امتیاز مذہب ونسل لاکھوں مریضوں کا مفت علاج کیا اور کر رہے ہیں۔ اگر آپ کے نزدیک ان خدمات کی کوئی اہمیت نہیں ہے تو بتایئے کہ اس سے زیادہ آپ اور کیا توقع ان سے رکھتے ہیں جو پوری نہیں ہوئی۔

بوہرہ اور اسماعیلیہ تنظیم ایک مخصوص تنظیم ہے اور ایک محدود دائرہ کے اندر محصور ہے۔ نہ اسے تبلیغ سے کوئی تعلق ہے نہ توسیع اسلام سے بلکہ ان کے نظام کی باطینت اس کی اجازت بھی نہیں دیتی کہ وہ اپنے مذہبی لٹریچر کی اشاعت کریں۔

یہ بالکل صحیح ہے کہ احمدیت نے سیاسی بناء پر کوئی سوسائٹی قائم نہیں کی کیونکہ ان کا مقصود صرف اسلام کی عالمگیر اخلاقی تعلیم کو پیش کرنا ہے نہ کہ سیاسی گتھیاں سلجھانا۔

8___ ہندوستان کے تمام مؤرخ (ہندو، سکھ، مسلمان) اس تحریک کو ناقابل اعتناء سمجھتے ہیں بلکہ وہ اس کے بارے میں کچھ جانتے ہی نہیں۔ کبیر پنتھیوں کو تو تمام ہندوستان کے لوگ جانتے ہیں لیکن انہیں یہ معلوم ہی نہیں کہ احمدیت کیا بلا ہوتی ہے۔ ہاں اگر احمدیت اسلام کے مقدس نام پر قائم نہ کی جاتی تو بھگتی تحریک کے مواد ذخیرہ میں ایک قابل قدر اضافہ ہوجاتا۔

نگار:

آپ کا یہ کہنا کہ ہندوستان میں تحریک احمدیت سے کوئی واقف نہیں، اتنی صریح غلط بیانی ہے کہ

اس کا جواب خاموشی کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتا۔ اس وقت دنیا کی کونسی تاریخ ہے جو اس جماعت کے ذکر سے خالی ہو اور وہ کون مؤرخ ہے جس نے ان کی تنظیم کی تعریف نہ کی ہو۔ آپ نے کبیر پنتھی کا ذکر کر کے اپنی معصیت پر مہر لگا دی ہے۔ کجا کبیر پنتھی تحریک جس کو انسان کی عملی زندگی سے کوئی واسطہ نہیں اور کجا احمدی تحریک جس کی بنیاد درستی کردار واصلاحِ اخلاق پر قائم ہے۔

9___ ان کے سماجی تعلقات کے بارے میں اتنا عرض ہے کہ بعض مسلمان انہیں رشتہ دینے میں پیش قدمی کرتے ہیں لیکن یہ حضرات (خصوصاً کشمیر میں) اپنی تیس تیس سال کی جوان بیٹیوں کو شادی سے پہلے ہی بیوہ بنائے بیٹھے ہیں اور جس کے نتائج روح فرسا ثابت ہو رہے ہیں۔

نگار:

رشتہ مصاہرت کے سلسلہ میں اس سے قبل میں اپنی رائے کا اظہار کر چکا ہوں اور میں سمجھتا ہوں کہ اس باب میں ان کا اصول بالکل صحیح و درست ہے اور ان کی کامیابی و جامعیت بڑی حد تک اس طرزِ عمل پر منحصر ہے۔

10___ پروفیسر الیاس برنی مرحوم کی کتاب قادیانی مذہب کا معمولی انداز سے ذکر کر کے آپ نے ان کے ساتھ سخت ظلم کیا ہے۔ وہ حوالہ جات جن سے برنی صاحب نے قادیانی مذہب مرتب کیا اب بھی احمدی حضرات کی کتابوں میں اور خصوصی طور پر مرزا صاحب کی تصنیف میں موجود ہیں اور آپ غیر جانبداری سے کام نہ لیں اور صرف جذبات کے بہاؤ پر خیالات اور آراء کا سفینہ نہ چلائیں تو آپ بچشم خود وہ حوالہ جات ملاحظہ فرما کر نتیجہ پر پہنچ جائیں گے۔

نگار:

میں نے الیاس برنی کی بھی کتاب دیکھی ہے اور وہ بھی جو اس کے جواب میں لکھی گئی ہے۔ میری سچی رائے یہی ہے کہ الیاس برنی نے مرزا صاحب کی اقوال نقل کرنے میں کافی تلبیس سے کام لیا ہے۔ اگر آپ ان مسائل میں صراحت فرما دیتے جن میں الیاس برنی سے متفق ہیں تو میں ہی

بالتفصیل بتادیتا کہ الیاس برنی نے کہاں کہاں کن تلبیسات سے کام لیا ہے۔

11۔۔۔ رہا یہ سوال کے کوئی احمدیت کی مخالفت یا حمایت قرآن وحدیث سے لیس ہوکر کرے تو یہ بیہودگی کے سوا کچھ بھی نہ ہوگا۔ جس طریق کے بانی خود اس کو قرآن اور حدیث کی رو سے صحیح ثابت کرنا اور عامۃ المسلمین اور خصوصی طور پر ذہین حضرات کو مطمئن کرنے میں بری طرح ناکام ہو چکے ہوں۔ اسے خواہ مخواہ الجھن میں پڑھ کر کوئی کیوں صحیح ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرے۔

نگار:

پہلے آپ یہ تو ثابت کیجئے کے احمدی تعلیم فلاں فلاں امور میں قرآن وحدیث کی تعلیم کے خلاف ہے۔ کیا وہ خدا کی واحدانیت اور رسالت رسولؐ کے قائل نہیں۔ کیا انہوں نے عبادات کی صورتیں بدل دی ہیں۔ کیا احکام شریعت میں انہوں نے ردّ وبدل کر دیا ہے۔ آخر وہ کیا چیز ہے جس نے آپ ایسے ذہین حضرات کی طرف سے غیر مطمئن کر رکھا ہے اور آپ کن شواہد ودلائل کی بنیاد پر انہیں بُری طرح ناکام ظاہر کرنے کی جرأت کر سکتے ہیں۔

افسوس ہے کہ آپ نے فہرست الزامات تو بڑی لمبی چوڑی مرتب کر دی ہے لیکن کوئی ثبوت آپ پیش نہ کر سکے۔

(منقول از ''نگار'' بابت ماہ اپریل 1961ء صفحہ نمبر 35 تا 41)

(نوٹ: اسی رسالہ میں صفحہ 54 پر مسعود احمد صاحب خورشید کراچی کی کتاب ''حج بیت اللہ شریف'' کا بھی ذکر ہے)

’’حضرت مسیح علیہ السلام کشمیر میں‘‘

پر

تبصرہ

’’یہ ایسا غیر معمولی انکشاف تھا کہ اس کو سن کر دنیا چونک پڑی۔ بہتوں نے اس کی ہنسی اُڑائی اور بعض نے اس پر غور کرنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ یہ بات ملکوں ملکوں پہنچی اور آخر کار سب کو مان لینا پڑا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام واقعی کشمیر میں آئے۔ یہاں انہوں نے عیسوی مذہب کی تبلیغ کی اور یہیں جان دی‘‘۔

(نیاز فتحپوری)

حضرت بانی جماعت احمدیہ علیہ السلام نے حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق تحقیق سے یہ امر ثابت کیا کہ وہ صلیبی موت سے بچ کر فلسطین سے ہجرت کر کہ ہندوستان میں آ گئے اور کشمیر کے شہر سرینگر محلہ خانیار میں وفات پائی ۔ اس کے متعلق حضورؑ کی کتاب ''مسیح ہندوستان میں'' معرکۃ الآراء ہے۔ گزشتہ نصف صدی میں انکشافات کی روشنی میں یہ حقیقت اور بھی نکھر کر سامنے آ چکی ہے۔ اس کے متعلق مولوی محمد اسد اللہ صاحب قریشی نے ایک کتاب ''حضرت مسیح کشمیر میں'' شائع کی جس میں تحقیقی طور پر نئے امور پیش کئے۔ علامہ نیاز فتحپوری نے اپنا مؤقر رسالہ ''نگار'' ماہ جون 1961ء میں باب الانتقاد کے زیر عنوان اس کتاب پر تبصرہ فرمایا۔

(مرتب)

مولانا محمد اسد اللہ قریشی نے جو بارہ مولا (کشمیر) کہ متوطن ہیں، حال ہی میں اس نام [1] سے ایک کتاب شائع کی ہے۔ جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ واقعہ صلیب کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام رومی سلطنت کی داروگیری سے بچنے کے لئے مع اپنی والدہ حضرت مریم کے (جن کو مَیری بھی کہتے ہیں) ہجرت کر کے پہلے ایران آئے اور پھر افغانستان و ہندوستان ہوتے ہوئے کشمیر پہنچے۔ یہیں وفات پائی اور یہیں مدفون ہوئے۔ آپ کی قبر سرینگر میں اب بھی مرجع خلائق ہے جو ''یوز آسف'' نبی کے مزار کے نام سے مشہور ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق عرصہ سے یہ عقیدہ چلا آ رہا تھا کہ انہوں نے صلیب پر جان دی اور پھر خدا نے اپنے پاس اُٹھا لیا۔ یہاں تک کہ ان کا مستقر بھی فلک چہارم قرار دے دیا گیا۔ لیکن اس وقت تمام دنیا نے (یہاں تک کہ عیسائیوں کے ایک طبقہ نے بھی) تسلیم کر لیا ہے کہ جب آپ صلیب سے بچ نکلے تو آپ نے روما کے حدود سے ہجرت اختیار کی کیونکہ وہاں پھر اس گیرودار کا اندیشہ تھا۔

یہاں اس بحث کا موقعہ نہیں کہ واقعہ صلیب اور ''رفع الی السماء'' کے متعلق قرآن پاک کیا کہتا ہے۔ کیونکہ اس موضوع پر میں آج سے 38 سال قبل نگار کے ذریعہ سے کافی شرح و بسط کے ساتھ لکھ چکا ہوں کہ کلام الٰہی سے صاف طور پر ثابت ہے کہ وہ اپنی طبعی موت سے مرے۔ اس سے قبل سر سید احمد خاں بھی بالکل یہی بات کہہ چکے تھے اور مرزا غلام احمد صاحب بھی۔ لیکن مرزا صاحب کی تحقیق کا یہ طرۂ امتیاز ان سے کوئی نہیں چھین سکتا کہ انہوں نے نہ صرف مذہبی بلکہ تاریخی حیثیت سے بھی ثابت کر دیا کہ مسیح ہجرت کر کے اخیر میں سرینگر پہنچے۔ ان کی قبر فلاں مقام پر اب

[1] ''حضرت مسیح کشمیر میں'' (مرتب)

بھی موجود ہے۔

یہ ایسا غیر معمولی انکشاف تھا کہ اس کو سن کر دنیا چونک پڑی بہتوں نے اس کی ہنسی اُڑائی اور بعض نے اس پر غور کرنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ یہ بات ملکوں ملکوں پہنچی اور آخر کار سب کو مان لینا پڑا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام واقعہ کشمیر میں آئے۔ یہاں انہوں نے عیسوی مذہب کی تبلیغ کی اور یہیں جان دی۔

اس کتاب کی ترتیب میں فاضل مصنف نے بڑی غیر معمولی کاوش و ذہانت سے کام لیا ہے اور بائبل، احادیث نبوی، آثار قدیمہ کے ریکارڈ، بدھ مذہب کی تصانیف، ہندوؤں کی روایات ، ایران وافغانستان وکشمیر کی تاریخ اور خود مغربی تحقیق کے بیانات سے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ حضرت مسیح اپنے طبعی موت مرے اور کشمیر میں دفن ہوئے۔

بحث کی ابتداء انہوں نے کلام مجید کی اس آیت سے کی ہے:

وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهٗٓ اٰيَةً وَّاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ

(یعنی ہم نے ابن مریم اور ان کی ماں کو ایک ایسی پر سکون جائے پناہ کی طرف بھیج دیا جہاں چشمے جاری تھے۔)

انہوں نے دستاویزی شہادتوں سے یہ بات پوری طرح ثابت کر دی ہے کہ قرآن کی اس آیت میں ربوۃ سے مراد سرینگر ہی ہے۔

جس وقت یہ کتاب میری نگاہ سے گزری تو میرا خیال ”اٰوَیْنٰھُمَا“ کی طرف منتقل ہوا جس میں ضمیر تثنیہ استعمال کی گئی ہے یعنی اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسیح اور ان کی والدہ مریم دونوں ربوہ پہنچے تھے............لیکن اس کتاب میں مریم کا کوئی ذکر نہ دیکھ کر مجھے کسی قدر تعجب ہوا............ کیونکہ کلام مجید کی اس آیت میں ”ھُمَا“ کی ضمیر تثنیہ کے پیش نظر مریم کا بھی ذکر کیا جائے۔ چنانچہ میں نے صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب کو خط لکھا اور انہوں نے مولانا اسد اللہ کو اس کی طرف توجہ دلائی۔

مولانا نے جو جواب مجھے دیا وہ بجنسہٖ یہاں نقل کئے دیتا ہوں جس سے جناب مریم کے متعلق بھی ان کی تحقیق سامنے آجاتی ہے:

''سورۃ مومنون کی آیت ''وآوینٰھما الیٰ ربوۃ...الخ'' کے متعلق حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کے ساتھ ان کی والدہ حضرت مریم صدیقہ بھی کشمیر آئی تھیں۔اس پر مغربی اور مشرقی محققین کی شہادتیں موجود ہیں۔ چنانچہ پروفیسر نکولس رورک Nekolias Roerick نے 1929ء میں ایک کتاب Heart Of Asia کے نام سے شائع کی جو وسط ایشیا کے حالات پر مشتمل ہے۔یہ کتاب نیوایرا لائبریری کی طرف سے رورک میوزم پریس نیو یارک کے ذریعہ اشاعت پذیر ہوئی۔

اس کتاب میں پروفیسر موصوف نے لکھا ہے کہ کشمیر،لداخ اور وسط ایشیا کے مختلف مقامات میں اب بھی یہ مضبوط روایت پائی جاتی ہے کہ حضرت مسیح ناصری نے ان علاقوں میں سفر اختیار کیا۔سرینگر میں وہ فوت ہوئے۔ وہیں ان کا مزار بھی موجود ہے۔ان کی والدہ کا مزار بروئے روایت کاشغر ''مزار مریم'' کے نام سے مشہور ہے۔لکھتے ہیں:

> ''کاشغر سے تقریباً چھ میل کے فاصلہ پر ''مریم مزار'' کے نام سے ایک مقبرہ موجود ہے۔روایت یہ بتاتی ہے کہ یروشلم میں مسیح کے واقعہ صلیب کے بعد حضرت مریم کاشغر میں ہجرت کر کے آگئیں۔ جہاں وہ وفات پا گئیں اور ان کا مزار بنایا گیا۔ یہ مقام آج کے دن تک لوگوں کی زیارت کا مرکز بنا ہوا ہے''۔

(Heart Of Asia Page:39)

اسی طرح رابرٹ گریوز اور یشوعا پوڈرو اپنی کتاب ''نفرین گاسپل'' میں لکھتے ہیں:

''اعمال العسل اور قرون اولیٰ کے بزرگان کلیسیا کی تحریرات میں

حضرت مسیح کے حواری فلسطین کا ذکر تو موجود ہے لیکن مریم جو کہ شمعون کلو پاس
کی بیٹی تھی، اس کا ذکر نہیں ملتا۔ ہوسکتا ہے یہ مریم حضرت مسیح کی ہجرت میں
ان کے ساتھ چلی گئی ہوں''۔ (777)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مریم نام کی خاتون ہجرت میں مسیح کے ساتھ تھیں۔ اور کوئی عجب نہیں وہ مسیح کی والدہ ہی ہوں۔ بعض محققین لکھتے ہیں کہ واقعہ صلیب کے بعد حضرت مریم والدہ یسوع بھی فلسطین سے غائب ہوگئیں۔ پھر چونکہ مسیح کا آسمان کی طرف نہیں کشمیر کی طرف آنا ثابت ہے ہوسکتا ہے کہ حضرت مریم بھی آپ کے ساتھ کشمیر آئی ہوں۔

ایک قدیم عیسائی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ واقعہ صلیب کے بعد حضرت مریم یوحنا حواری کی کفالت میں تھیں جب یہ حواری ایشیا کوچک میں افسس کی طرف ہجرت کر گئے تو حضرت مریم کو بھی ہمراہ لے گئے۔ یہ روایت سمتھ کی بائبل ڈکشنری میں زیر لفظ مریم لکھی ہوئی موجود ہے۔ مگر صحیح یوں معلوم ہوتا ہے کہ یوحنا حواری حضرت مریم کو لے کر دمشق میں حضرت مسیح کے پاس پہنچ گئے جہاں آپ مشرق کی طرف عازم سفر ہونے کے لئے طیار تھے۔ یوحنا حواری ایشیا کوچک لے گئے۔ اور مریم اور ابن مریم مشرق کی طرف چلے آئے۔

چونکہ یہ سب باتیں پردہ راز میں تھی اس لئے روایت یہ بن گئی کے حضرت مریم بھی ایشیا کوچک چلی گئی۔ مریم کی ایشیا کوچک جا کر وفات پانے کی روایت بدیں وجہ صحیح نہیں ہے کہ ایشیا کوچک کی عیسائی تاریخ محفوظ ہے۔ اس میں مریم کی موجودگی کا کوئی ذکر نہیں۔

محققین نے لکھا ہے کہ مریم مگدلینی بھی فلسطین سے غائب ہوگئیں جس کا ذکر اناجیل میں مسیح کی مومنہ عورتوں میں آتا ہے۔ بعید نہیں کہ وہ بھی مسیح کے ساتھ مشرق میں آ گئی ہوں۔ مکتوب سکندریہ میں ہے کہ حضرت مسیح ان سے شادی کرنے کا خیال رکھتے تھے۔

اسلامی لٹریچر میں ایک مشہور کتاب روضۃ الصفا ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ یروشلم سے مسیح

ہجرت کر کے نصیبین میں آ گئے۔ آپ کے ساتھ آپ کی والدہ پطرس اور توما حواری تھے۔

(روضۃ الصفا صفحہ نمبر 132,133)

اس باب میں مکرم حیدری صاحب ایم اے اپنی کتاب 'داستان مری' میں لکھتے ہیں:

''پنڈی پوائنٹ مری میں ایک پہاڑی ہے جہاں ایک زمانہ میں سکھ فوج کا ایک دستہ رہا کرتا تھا۔ یہیں ایک ولیہ کا مقبرہ بھی موجود ہے جن کے نام سے مری کا نام مشہور ہے۔'' (داستان مری صفحہ 70)

داستان مری کے شروع میں مصنف نے لکھا ہے پنڈی پوائنٹ کے مقام پر ایک سنگین برج ہے اور پاس ہی ایک پرانی قبر ہے۔ یہ قبر ایک ڈھیری سی ہے۔ پہاڑی زبان میں ایسی ڈھیری کو مڑھی بھی کہتے ہیں۔ روایت ہے کہ یہاں کوئی خدا رسیدہ خاتون مدفون ہیں جن کا مریم یا مریاں تھا۔ اس قبر یا مڑھی کی نسبت سے اس مقام کو مڑھی کی گلی کہا جاتا ہے۔ اور اسی وجہ سے اس کا نام 'مری' پڑ گیا۔ مری کو مڑھی سے اور مریم کو میری سے جو صوتی نسبت ہے، وہ ظاہر ہے۔ (کتاب مذکور صفحہ 3)

''ہندوستان میں عیسائیت کی تاریخ'' نامی کتاب میں جو پادری ہف ایم اے نے لکھی ہے اس کے صفحہ 42 جلد اوّل میں یہ روایت درج ہے کہ تھوما حواری کا شمالی ہندوستان جانا بھی ثابت ہے۔ مفتی محمد صادق صاحب جنہوں نے کشمیر اور مدراس میں خود جا کر تحقیقات کر کے ''قبرِ مسیح'' کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی وہ مدراس میں تھوما حواری کے مقبرہ پر بھی گئے جہاں انہوں نے ایک عیسائی بوڑھی عورت سے مذہبی گفتگو کی۔ وہ لکھتے ہیں:

''مجھے اس بوڑھی عورت نے جو تھوما کے پہاڑ پر مجھے ملی تھی بتلایا تھا کہ تھوما حواری سندھ اور پنجاب بھی گئے تھے۔ انجیل اعمال تھوما میں لکھا ہے کہ مسیح نے واقعہ صلیب کے بعد حضرت مریم صدیقہ کے سامنے اپنے کارناموں کو دُہرایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مریم بھی حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ کشمیر آ گئی تھیں۔'' (تحقیق جدید فی قبر مسیح صفحہ 147)

خود عاجز راقم نے 1959ء کے اواخر میں قیام مری کہ دوران ''مری کے مقام مریم'' کے متعلق تحقیقات کی ہے اور کئی معزز اور پرانے لوگوں سے معلومات حاصل کی ہے۔ان کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مری میں ایک مقام حضرت مریم سے منسوب ہے۔ان لوگوں نے کہا کہ ہم باپ دادا سے سنتے چلے آئے ہیں کہ یہ مائی مریم کی جگہ ہے۔جب میں نے سوال کیا کہ کیا یہ مریم کا مقبرہ ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ مقبرہ ہے۔مگر ہم بزرگوں سے سنتے چلے آئے ہیں کہ یہاں مائی مریم نے عبادت کی تھی۔یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جب میں اور میرا ایک اور ساتھی جس کی دوکان مری میں ہیں اس پہاڑی کے اوپر فوٹو لینے کی غرض سے چڑھ رہے تھے تو ایک شخص غلام دستگیر نامی ہمیں ملا جس سے مریم کے اس مقام کے متعلق بات چیت ہوئی۔اس نے بیان کیا کہ میرے پاس مری کی ایک قدیم تاریخ ہے جو آج کل نایاب ہے۔اس میں لکھا ہے کہ قدیم زمانہ میں جب یہ علاقہ غیر آباد اور جنگل ہی جنگل ہی تھا۔ایک عورت یہاں آکر مقیم ہوئی جو کسی دوسرے ملک سے یہاں آئی تھی۔جو ان علاقوں کی کوئی زبان نہ بولتی تھی۔بلکہ اس کی کچھ اور زبان تھی۔کچھ عرصہ یہاں ٹھہر کر وہ کسی دوسرے ملک میں چلی گئی۔لیکن میں کتاب دیکھ نہیں سکا۔'' (راقم محمد اسد اللہ قریشی)

مولانا محمد اسد اللہ قریشی کی اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حیات مسیح و مریم کے مسئلہ میں کتنی غیر معمولی کاوش اور جستجو سے کام لے رہے ہیں اور جو کچھ انہوں نے کتاب زیر تبصرہ میں لکھا ہے وہ یقینا ناقابل تردید ہے۔یہ کتاب حکیم عبد اللطیف صاحب نمبر 14 بازار گوالمنڈی لاہور سے مل سکتی ہے۔

(منقول از ''نگار'' ماہ جون 1961ء صفحہ نمبر 38 تا 40)

امت محمدیہ میں
وحی و نبوت

''وحی و نبوت کا سلسلہ عہد آفرینش سے جاری ہے اور ہمیشہ جاری رہے گا۔ جس کا ثبوت قرآن حدیث و اقوال اکابر آئمہ سے مل سکتا ہے''

(نیاز فتحپوری)

''علامہ نیاز فتحپوری کو جو خطوط متعدد احباب کی طرف سے موصول ہوئے ان میں سے ایک خط سید حسن بلتستانی آف کراچی کا تھا۔ جس میں جماعت احمدیہ کے متعلق متعدد استفسارات کئے گئے ۔علامہ موصوف نے ان کے جوابات اپنے مؤقر رسالہ ''نگار'' بابت ستمبر 1961ء میں بڑی تفصیل کے ساتھ دیئے اور خاص طور پر مسئلہ وحی و نبوت کو قرآن، حدیث اور اقوال آئمہ کی روشنی میں واضح کیا اور بتایا کہ امت محمدیہ ان انعامات سے کسی زمانہ میں بھی محروم نہیں رہ سکتی''۔

(مرتب)

(سید حسن بلتستانی، سندھ ٹائمس پریس۔کراچی)

السلام علیکم...... میں جناب کی فراخدلی اور فراخ حوصلگی کا ہمیشہ معترف رہا ہوں۔آپ کی ہر مسئلہ میں بے باکانہ رائے کا اظہار واقعی عام انسانوں کا کام نہیں اور میری نظروں میں بڑی وقعت ہے۔

احمدیوں کے متعلق کچھ عرصہ سے آپ کے جو خیالات نگار میں شائع ہو رہے ہیں ،اس پر بعض حضرات مختلف رنگ میں تنقید فرما رہے ہیں لیکن افسوس ہے کہ معترضین نے آپ کے خیالات کو سمجھنے کی کوشش نہیں فرمائی۔ بلکہ جذبات میں بہہ کر اصل بحث سے الگ ہو گئے ہیں۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں آپ جو کچھ لکھ رہے ہیں وہ احمدیوں کے متعلق لکھ رہے ہیں احمدیت کے متعلق نہیں۔کیونکہ احمدیت کے بانی جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کا دعویٰ نبوت یا مہدویت کا دارومدار عقیدہ ظہور مہدی پر ہے......اور انہی پیشگوئیوں کے تحت مرزا صاحب نے مہدی موعود ہونے کا دعویٰ کیا ہے......لیکن آپ نے کب اور کہاں اس عقیدہ کو اپنایا ہے۔اسی طرح احمدیوں کے عقائد ماسوا چند مسئلوں کے سواد اعظم سے ملتے جلتے ہوئے ہیں اور یہ مسائل وہ ہیں جن کو من وعن نہ ماننے پر آپ کو ہمیشہ فتویٰ کفر سے نوازا جاتا رہا ہے۔پس یہ سوال تو یوں ختم ہو جاتا ہے کہ آپ احمدی عقائد کو سراہ رہے ہیں یا آپ مائل بہ احمدیت ہیں۔

رہا یہ کہ احمدیوں اور ان کے بانی مرزا صاحب کے متعلق آپ کے خیالات ،سو اس سے کس کو انکار ہوسکتا ہے کہ مرزا صاحب نے ایک فعال جماعت تیار کی۔احمدیوں میں انفرادی طور پر ہوسکتا ہے برے لوگ بھی ملیں۔مگر من حیث الجماعت وہ مسلمانوں میں ممتاز و ممیز نظر آتے ہیں۔ان کی تنظیم ،یگانگت،ایثار و قربانی ،انفرادی و اجتماعی جدو جہد مسلمانوں کے لئے قابل عزت ہے۔اسی

لحاظ سے ہم مرزا صاحب کے بھی معترف ہیں کہ وہ وقت شناس بزرگ تھے۔ان میں یہ قدرت حاصل تھی کہ بقول علماء کرام عربی نہ جانتے ہوئے مولوی نورالدین جیسے عالم کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔انگریزی سے نابلد ہوتے ہوئے محمد علی جیسے انگریزی دان مفسرِ قرآن ان کی غلامی کا دم بھرنے لگے۔اسی طرح انہوں نے مسلمانوں کے بہت سے دل و دماغ کو اپنے ساتھ ملا لیا اور ان میں احیائے دین کا جذبہ پیدا کیا۔ان واقعات سے کسی منصف مزاج کو انکار نہیں ہوسکتا۔

ان تمام خوبیوں کو تسلیم کرنے کے بعد احمدیت اور بانی احمدی جماعت کو ایک اور زاویہ نظر سے بھی دیکھنے کی ضرورت ہے جو مسلمانانِ عالم کے لئے باعث غور وفکر ہے۔دراصل باعث نزاع جو مسئلہ ہے وہ ''ختم نبوت'' کا مسئلہ ہے جس کا دعویٰ بقول قادیانی جماعت مرزا صاحب نے فرمایا ہے اور اس جماعت نے اس دعویٰ کو اپنایا ہے۔یہ مسئلہ ایسا ہے جس نے مسلمانوں میں ہیجان سا پیدا کر دیا کیونکہ مسلمان خاتم النبیین حضرت محمد مصطفی ﷺ کے بعد کسی حالت میں کسی کو نبی ماننے کے لئے تیار نہیں اور وہ ایسے فرد کو جو زہد وتقویٰ علم وعمل میں کتنا ہی بلند ہونے کے باوجود نبوت کا دعویٰ کرے اپنے اعتقادات کے سبب کاذب ماننے پر مجبور ہیں۔

اس لئے بحث طلب امر صرف یہ ہے کہ مرزا صاحب نے نبوت کا دعویٰ کیا یا نہیں کیا کیونکہ یہ مسئلہ خود مرزا صاحب کے ماننے والوں میں باعث نزاع ہے مرزا صاحب مرحوم کے خاص مقربین محمد علی ایم اے،خواجہ کمال الدین،مولانا صدر الدین،ڈاکٹر بشارت احمد،مولانا محمد احسن امروہوی وغیرہ بزرگ ہیں جنہوں نے اس اختلاف کی بناء پر قادیان سے ہجرت فرمائی اور لاہور میں دوسری جماعت کی داغ بیل ڈالی۔ادھر ہم یہ بھی کچھ عرصہ سے دیکھ رہے ہیں کہ قادیانی جماعت دبے دبے طور پر ان کوششوں میں مصروف ہے کہ مرزا صاحب کی نبوت ظلی اور بروزی بحث سے نکل کر مستقل اور پکی نبوت بن جائے۔سابقہ تحریروں میں ہم دیکھتے ہیں کہ خلیفہ اوّل مولانا نورالدین صاحب بھی جہاں کہیں مرزا صاحب آنجہانی کا تذکرہ فرماتے تھے تو وہ ''مرزا صاحب'' کے الفاظ سے ہی

خطاب فرماتے تھے۔مگر آج ہم دیکھتے ہیں کہ مرزا صاحب کو علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فقروں سے ملقب کیا جاتا ہے ان کے خاندان کے لئے اہلبیت نبوت، اہل خانہ کے لئے ام المومنین وازواج مطہرات مختص ہیں اور گزشتہ صدیوں میں بڑے بڑے اولیاء اللہ مجددین کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ یہ الفاظ اپنے خاندان کے لئے استعمال کریں۔

احمدیت کو اس نظریئے سے جانچنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ......احمدیہ جماعت آئندہ کے لئے ایک زبردست رجحان کا پتہ دیتی ہے جو اسلام کے لئے نہایت خطرناک ثابت ہوسکتی ہے۔اس لئے علامہ اقبال نے کسی جگہ فرمایا ہے کہ:

> ''اس احیائے جدید کے بعد مجوسیت نے مشرق میں دو شکلیں اختیار کیں۔ان میں سے میرے نزدیک قادیانیت سے بہائیت زیادہ ایماندار ہے کیونکہ بہائیت نے اسلام سے اپنی علیحدگی کا اعلان و اشگاف طور پر کردیا۔لیکن قادیانیت نے اپنے چہرے سے منافقت کی نقاب الٹ دینے کی بجائے اپنے آپ کو محض نمائشی طور پر جزو اسلام قرار دیا اور باطنی طور پر اسلام کی روح اور اسلام کے تخیل کو تباہ و برباد کرنے کی پوری پوری کوشش کی''۔ (علامہ اقبال)

علامہ صاحب کے نزدیک مسئلہ نبوت اسلام کی روح ہے......پس میں آپ سے ملتجی ہوں کہ کیا بحیثیت مسلمان حضرت کو خاتم النبیین مانتے ہوئے مسلمانوں کو اس نئی نبوت کے خطرناک رجحانات سے چوکنا رہنے کی ضرورت ہے یا نہیں؟

نگار:

آپ کا استفسار پڑھ کر مجھے بہت خوشی ہوئی اور افسوس بھی۔خوشی اس بات کی کہ آپ نے حضرت مرزا غلام احمد صاحب کی انفرادی و اجتماعی خدمات کا اعتراف کرنے میں خود اپنی عقل سلیم

سے کام لیا اور دوسرے متعصب مسلمانوں کی طرح محض بر بنائے واہمہ و کج فہمی ان کو ملامت و نکوہش کا مستوجب قرار نہیں دیا۔لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ آپ نے آگے چل کر وہی باتیں شروع کر دیں جن کا تعلق افواہ وعصبیت سے ہے، آپ کی ذاتی تحقیق سے نہیں۔آپ کا مرزا صاحب کو سراہنا تو خیر ایسا ہی تھا جیسے دن کو دن کہنا۔لیکن اس کے بعد آپ نے پھر وہی سنا سنایا ''افسانہ شب'' شروع کر دیا جو ہر مخالف احمدیت کی زبان پر ہے۔

آپ کا سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ مسلم جمہور ''ختم نبوت'' کی قائل ہے اور مرزا صاحب کا اپنے آپ کو نبی کہنا یہ عقیدہ اسلام کے منافی ہے لیکن اس سلسلہ میں آپ نے کبھی اس حقیقت پر غور کیا ہے یا نہیں کہ ختم نبوت کا صحیح مفہوم کیا ہے۔میں اس جگہ لفظ نبوت کی لغوی تحقیق یا اس باب میں خود اپنے ذاتی عقیدہ و خیال کی صراحت ضروری نہیں سمجھتا کیونکہ بات بڑھ جائے گی اور یوں بھی استفسار سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔اگر اس کا مفہوم ''ختم الرشاد و ہدایت'' قرار دیا جائے تو درست نہ ہوگا کیونکہ ''**لکل قوم ھاد**''کی صراحت خود قرآن میں موجود ہے اور قومیں خدا جانے کتنی گزر چکی ہیں اور نہ جانے آئندہ کتنی آنے والی ہیں۔اسی طرح ''**علماء امتی کا نبیاء بنی اسرائیل**'' کی حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء کا سلسلہ ''امت محمدی'' میں برابر جاری رہے گا۔اس لئے ظاہر ہے اس کا کوئی خاص اصطلاحی مفہوم جہاں تک میں سمجھتا ہوں اس کے سوا کچھ نہیں کہ رسول اللہ خاتم شریعت تھے یعنی آپ کے بعد کسی ایسے نبی یا رسول کا ظہور نہ ہوگا جو شریعت قرآنی کو منسوخ کر کے کسی دوسری شریعت کو رواج دے۔ہر چند اس پر یہ اعتراض ضرور وارد ہو سکتا ہے کہ آیا کسی مخصوص زمانہ کی شریعت خواہ وہ کتنی ہی مکمل کیوں نہ ہو انسانی مستقبل کے ہر دور اور ہر عہد کے لئے حرف آخر کی حیثیت رکھ سکتی ہے یا نہیں لیکن یہ اعتراض اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے ......جب ''شریعت اسلامی'' کا مفہوم آپ صرف دنیاوی قانون قرار دیں۔لیکن اگر اس سے مراد اخلاقی تعلیم ہو تو بے شک ہم کہہ سکتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جو بنیادی اصول

''جامۂ بشریت'' کی اصلاح اور عالمی امن وسکون کے قیام کے لئے پیش کئے وہ یقینا حرف آخر کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان میں سے کسی حذف واضافہ کی گنجائش نہیں۔

یہ تو ہوئی منطقی قسم کی بات جس کا اعتراف بعض غیر مسلم منکرین کو بھی ہے۔لیکن مرزا غلام احمد صاحب کا تعلق بانی شریعت سے حددرجہ والہانہ وصاحبدلانہ تھا اور ذات نبوی کے ساتھ جو خلوص و شغف ان میں پایا جاتا تھا (قول وفعل دونوں میں) اس کی مثال اس عہد میں مشکل ہی سے کہیں اور مل سکتی ہے۔فرماتے ہیں:[1]

بعد از خدا بعشق محمد مخمرم — گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم

ہرتارو پودِ من بسراید بعشق او — اَز خود تہی و، از غمِ آں دِلستاں پُرم

من نیستم رسول و نَیا وَردہ ام کتاب — ہاں ملہم استم و زِخداوند منذرم

---

[1] ان اشعار کا ترجمہ یہ ہے:

1۔ میں خدا تعالیٰ کے بعد محمد رسول اللہ ﷺ کے عشق میں سرشار ہوں۔اگر اسی بات کا نام کفر ہے تو بخدا میں سخت کافر ہوں۔

2۔ آپ ؐ کا عشق میرے وجود کے ہر رگ وریشہ میں سرایت کر چکا ہے میں اپنے آپ سے خالی اور اس محبوب کے غم سے پُر ہوں۔

3۔ میں رسول نہیں ہوں اور نہ ہی کوئی کتاب لایا ہوں ہاں ملہم ہوں اور خدا تعالیٰ کی طرف سے ڈرانے والا ہوں۔

4۔ اے میرے رب میری گریہ وزاری کو دیکھ کر لطف وکرم کی ایک نظر کر کہ تیری رحمت کے سوا اور کون میرا مددگار ہے۔

5۔ میری جان حضرت محمد مصطفی ﷺ کے دین کی راہ میں فدا ہے۔یہی میرے دل کا مدعا ہے۔کاش حاصل ہوجائے۔ (مرتب)

یارب، بزارِیم نظرے کن بلُطف وفضل　　جز دستِ رحمتِ تو، دِگر کیست یاورم؟
جانم فدا شوَدبرہِ دینِ مصطفیٰ　　این است کامِ دِل اگر آید مُیسرم

حیرت ہے کہ جس شخص کا دل رسول اللہ ﷺ کے متعلق ایسے فدا کارانہ جذبات سے لبریز ہو اور جو صاف صاف یہ کہے کہ ''من نیستم رسول'' اس کی بابت یہ کہا جائے کہ وہ ختم نبوت کا قائل نہ تھا یا یہ کہ خود رسول بن کر کوئی متوازی شریعت اپنی علیحدہ قائم کرنا چاہتا تھا۔

حضرت مرزا صاحب نے اپنے اس جذبہ وعقیدہ کا اظہار اپنی تحریروں اور تقریروں میں برملا اور بار بار کیا ہے۔ 2/اکتوبر 1893ء کو جامع مسجد دہلی میں ایک کثیر مجمع کو خطاب کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:

> ''میں اس خانہ خدا میں صاف صاف اقرار کرتا ہوں کہ میں جناب خاتم الانبیاء ﷺ کی ختم نبوت کا قائل اور جو شخص ختم نبوت کا منکر ہو اس کو بے دین اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں''۔

....

''میں آیت وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ پر سچا اور کامل ایمان رکھتا ہوں''

(ایک غلطی کا آزالہ صفحہ 3)

....

''خدا ایک ہے اور محمد رسول اللہ ﷺ اس کا نبی ہے اور وہ خاتم الانبیاء ہے''
(کشتی نوح صفحہ 15)

میں نہیں سمجھتا کہ جناب مرزا صاحب کے ان اقوال کے ہوتے ہوئے یہ کہنا کہ وہ ختم نبوت کے قائل نہ تھے کیونکر صحیح و درست ہوسکتا ہے۔فرق یہ ہے کہ وہ اس کو نبوت تشریعی کہتے ہیں اور آپ اسے نبوت مطلقہ سمجھتے ہیں۔

آپ اپنے خیال کی تائید میں جو سب سے قوی دلیل پیش کر سکتے ہیں وہ "**لانبی بعدی**"(میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا) کی حدیث ہے لیکن اگر اسی کے ساتھ "**علماء امّتی کانبیاء بنی اسرائیل**"(میری امت کے علماء انبیاء بنی اسرائیل کی طرح ہوں گے)والی حدیث کو بھی سامنے رکھا جائے اور دونوں کو متعارض نہ قرار دیا جائے تو یقینا دونوں حدیثوں میں نبی کا مفہوم ایک دوسرے سے جدا ہونا چاہئے۔آیئے اس سلسلہ میں سب سے پہلے "**لانبی بعدی**" والی حدیث پر غور کریں اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔"**الاترضی انت منّی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الّا انّہ لیس نبیٌّ بعدی**" اس حدیث کا تعلق ایک خاص واقعہ سے ہے یعنی جب غزوہ تبوک میں رسول اللہ حضرت علی کو اپنے ساتھ نہیں لے گئے اور اپنے نائب کی حیثیت سے مدینہ ہی چھوڑ دینا چاہا تو حضرت علی کو اس سے تکلیف ہوئی اور رسول اللہ ﷺ نے ان کے اس جذبہ سے متاثر ہوکر فرمایا کہ "**الاترضیٰ انت... الخ**" یعنی کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ میرے ساتھ تمہاری نسبت وہی ہے جو ہارون اور موسیٰ کے درمیان پائی جاتی تھی سوا اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا"۔

ہمارے علماء نے لفظ بعدی کی صراحت میں بھی بہت کچھ لکھا ہے بعض نے اس سے بعد زمانی مراد لیا ہے اور بعض نے غیری۔چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب کا فیصلہ بھی یہی ہے کہ بعدی سے مراد غیری ہے اور اس حدیث کا تعلق صرف غزوہ تبوک اور حضرت علی کی نیابت سے ہے......اس لئے اس کے معنی یہ ہوں گے کہ "علی کی نیابت کی حیثیت میرے بعد وہی ہوگی جو موسیٰ کی عدم موجودگی میں ہارون کی تھی لیکن یہ حیثیت نبی کی سی نہ ہوگی"......یعنی **لانبی بعدی** کا تعلق صرف غزوہ تبوک اور حضرت علی سے ہے نہ کہ مطلق انقطاعِ نبوت سے۔

لیکن اگر تھوڑی دیر کے لئے فرض کر لیا جائے کہ اس سے مراد مطلقاً انقطاع نبوت ہے تو بھی یہ سوال اپنی جگہ بدستور قائم رہتا ہے کہ جس نبوت کے انقطاع کا ذکر اس حدیث میں کیا گیا ہے اس کی نوعیت کیا ہے؟

اس باب میں جب ہم اکابر علما وفقہاء کے اقوال پر نگاہ ڈالتے ہیں تو (جن میں محی الدین ابن عربی، عبدالوہاب شعرانی، مجدد الف ثانی، مُلّا علی قادری اور ہمارے عہد کے مولانا عبدالحی فرنگی محلی شامل ہیں) تو معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد صرف ''نبوت تشریعی'' ہے۔ یعنی رسول اللہ کا ''لا نبی بعدی'' فرمانا صرف اس معنی میں تھا کہ میرے بعد کوئی ایسا نبی نہ آئے گا جو میری شریعت کو منسوخ کر کے کوئی دوسری شریعت لائے نہ یہ کہ نبوت کا دروازہ مطلقاً بند ہو جائے گا۔

اس لئے اس بیان سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ خاتم النبیین میں ''نبیین'' سے صرف صاحب شریعت انبیاء مراد ہیں اور وہ علماء نہیں جو بہ اتباع شریعت قرآنی نبوت کا دعویٰ کریں۔

اب آپ غور فرمائیے کہ حضرت مرزا صاحب نے اپنی نبوت کا دعویٰ کس معنی میں کیا ہے؟ اگر انہوں نے شریعت قرآنی سے ہٹ کر اپنی کوئی شریعت پیش کی ہے تو ان کا دعویٰ یقیناً غلط ہے۔ اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر اس کے ماننے میں تامل کیوں ہے؟ جب کہ انہوں نے ہمیشہ اپنے آپ کو خادم رسول ہی کی حیثیت سے پیش کیا اور اسی زندگی، اسی کردار اور اسی اخلاق کی تبلیغ کی جسے ہم ''اسوۂ نبی ؐ'' کہتے ہیں۔

اس کی تردید میں آپ زیادہ سے زیادہ یہی کہہ سکتے ہیں کہ ''اس معنی میں کیوں انہیں کو نبی تسلیم کیا جائے کسی اور کو کیوں نہیں'' سو اس کے جواب میں بھی کم سے کم یہ کہہ سکتا ہوں کہ ''**فاتوا برجل من مثلہ**''......اگر کوئی اور ایسا ہے تو اس کو پیش کیجئے۔ جس زمانہ میں مرزا صاحب اسلام وشعائر اسلام کی حمایت پر آمادہ ہوئے وہ بڑا نازک وقت تھا اور ہندوستان کا طبقہ علماء بالکل سو رہا تھا۔ مخالفین اسلام کے سامنے آنے کی جرأت واہلیت نہ رکھتا تھا......کھلم کھلا سر بازار اسلام وصاحب اسلام کی توہین کی

جاتی تھی اور کسی مسلم خانوادہ کو اس کا احساس تک نہ تھا۔ مسلمانوں کے دلوں سے دینی غیرت، اسلامی حمیت بالکل مٹ چکی تھی۔ شعائر اسلام کی پابندی برائے نام رہ گئی تھی اور اس ''برے وقت'' کا احساس حالی کو تو خیر ایک حد تک ہوا لیکن ہمارے علماء کے ہاتھ بھی دعا کے لئے نہیں اُٹھے۔ قدم اُٹھانے کا کیا ذکر ہے!...... **الغرض یہ تھا وہ نازک وقت جب قادیان سے ایک مرد غیب اُٹھ کھڑا ہوا اور اس نے اپنی تحریروں، تقریروں اور انتھک کوششوں سے نہ صرف یہ کہ مخالفین اسلام کے ہفوات کا جواب دیا بلکہ مسلمانوں میں ایک ایسی عملی جماعت پیدا کر دی جس کا اعتراف آپ کو بھی ہے۔**

آپ نے حضرت مرزا صاحب کو بڑا وقت شناس ظاہر کیا ہے اور اس میں شک نہیں وہ بڑے وقت شناس بزرگ تھے کیونکہ انکی تحریک احمدیت اسی وقت شناسی کا نتیجہ تھی۔ لیکن آپ نے اس ضمن میں ایک فقرہ ایسا بھی لکھا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ وقت شناسی کا استعمال آپ نے کسی اور معنی میں کیا ہے............ کیونکہ اس سلسلہ میں آپ نے مولوی نورالدین صاحب اور مولوی محمد علی صاحب کا ذکر کرتے ہوئے یہ بھی ظاہر کیا ہے کہ مرزا صاحب عربی اور انگریزی نہ جاننے کے باوجود ان دونوں حضرات پر چھا گئے۔ لیکن آپ کا یہ اعتراف وقت شناسی سے کوئی تعلق نہیں رکھتا بلکہ اس کا تعلق حضرت مرزا صاحب کی بلندی اخلاق اور روحانی قوت سے تھا نہ کہ کتابی علوم سے جس نے ان دونوں حضرات کو اپنا غلام بنا لیا۔

حضرت مرزا صاحب انگریزی جانتے تھے یا نہیں مجھے معلوم نہیں۔ لیکن ان کی عربی دانی سے آپ کا انکار کرنا حیرت کی بات ہے۔ شاید آپ کو معلوم نہیں کہ **مرزا صاحب کے عربی کلام نظم ونثر کی فصاحت و بلاغت کا اعتراف خود عرب کے علماء وفضلاء نے کیا ہے حالانکہ انہوں نے کسی مدرسہ میں عربی ادبیات کی تعلیم حاصل نہیں کی تھی اور میں سمجھتا ہوں کہ حضرت مرزا صاحب کا یہ کارنامہ بڑا زبردست ثبوت ان کے فطری ووہبی کمالات کا ہے۔**

☆

اب رہا یہ امر کہ انہوں نے نبوت کا دعویٰ کیا یا نہیں اور ان کا اپنے آپ کو مہبط وحی کہنا درست تھا یا نہیں۔ سو اس کے متعلق میں اس سے قبل اپنا خیال ظاہر کر چکا ہوں کہ وحی و نبوت کا سلسلہ ابتداء عہد آفرینش سے جاری ہے اور ہمیشہ جاری رہے گا جس کا ثبوت قرآن، احادیث و اقوال اکابر آئمہ سے مل سکتا ہے۔

☆

اب رہا یہ امر کہ مرزا صاحب کا اپنے آپ کو مہدی موعود، مثیل مسیح اور ظل نبی کہنا درست تھا یا نہیں۔ سو اس کا فیصلہ بھی چنداں دشوار نہیں۔ وہ حضرات جو مہدی موعود و مثیل مسیح والی احادیث کو صحیح مانتے ہیں ان کے لئے تو انکار کی کوئی گنجائش ہی نہیں کیونکہ وہ تمام شرائط جو احادیث میں مذکور ہیں بڑی حد تک حضرت مرزا صاحب پر منطبق ہوتی ہیں۔ لیکن وہ حضرات جو ان احادیث کے قائل نہیں وہ بھی مہدی و مسیح کی بحث سے قطع نظر مرزا صاحب کے علوئے کردار، خدمت دین اور احیائے اسلام کے پیش نظر یہ سمجھنے پر مجبور ہیں کہ حضرت مرزا صاحب یقیناً اپنے عہد کے بہت بڑے انسان تھے اور انہوں نے اسلام کی جتنی ٹھوس خدمت انجام دی ہے اس کی دوسری مثال ہمیں کسی اور مسلم جماعت میں نہیں ملتی۔

☆

اس میں شک نہیں کہ مولوی نور الدین صاحب کی وفات کے بعد بعض افراد احمدی جماعت کے قادیان سے ہٹ کر لاہور چلے گئے۔ لیکن اس کا تعلق اختلاف عقائد سے نہ تھا کیونکہ وہ اب بھی مرزا صاحب کو ظلّی نبی و مہبط وحی یقین کرتے ہیں بلکہ اس کے اسباب کچھ اور تھے جو حصول سیادت و تفوق کے جذبہ سے وابستہ تھے۔

☆

علامہ اقبال کی جس تحریر کا آپ نے حوالہ دیا ہے وہ 1933ء کے بعد کی ہے۔ جب احرار کی شورش سے مرعوب ہو کر اپنی جان چھڑانے کے لئے وہ اس بیان کے دینے پر مجبور ہو گئے ورنہ اس سے قبل وہ احمدیت کے بڑے مداح تھے۔ چنانچہ حضرت مرزا صاحب کی وفات کے دو سال بعد علی گڑھ کے اسٹریچی ہال میں انہوں نے جو تقریر کی تھی اس کا ایک فقرہ یہ بھی تھا کہ:

''پنجاب میں اسلامی سیرت کا ٹھیٹھ نمونہ اس جماعت کی شکل میں ظاہر ہوا ہے جسے فرقہ احمدیہ کہتے ہیں۔''

☆

آپ نے جن خطابات تقدیس کا ذکر کیا ہے وہ میری رائے میں کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتے۔ ام المومنین، ازواج مطہرات وغیرہ الفاظ ایسے نہیں کہ ان کو سامنے رکھ کر احمدیت یا عقائد احمدیت کو لغو و باطل قرار دیا جائے۔ نزاع واختلاف کی صورت میں ایسی معمولی باتوں سے استدلال کرنا احساس کمتری کے مظاہرہ سے زیادہ نہیں۔ اس باب میں اگر آپ احمدی جماعت کے دلائل معلوم کرنا چاہتے ہیں تو پنجاب کی تحقیقاتی عدالت کی وہ رپورٹ پڑھ لیجئے جس سے اس مسئلہ پر بھی کافی روشنی پڑتی ہے۔

☆

اب رہا آپ کا یہ ارشاد کہ میں غلام احمد کی ذات اور احمدیت دونوں کو ایک دوسرے سے جدا سمجھتا ہوں صحیح نہیں۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ جتنے سچے احمدی ہیں وہ سب کے سب حضرت مرزا صاحب کی ہدایت پر عامل ہیں۔ اور یہ ہدایت وہی ہے جس کی پاکیزگی سے آپ کو بھی انکار نہیں۔

☆

مابعد الطبیعیاتی مسائل میں البتہ مجھے احمدی جماعت کیا، تمام مسلم جماعتوں سے اختلاف ہے سو اس کا تعلق بالکل میری ذات سے ہے اور خدا کا جو تصور میرے سامنے ہے وہ تمام مذاہب کے تصور سے مختلف ہے۔ لیکن اس کے ساتھ میں یہ بھی مانتا ہوں کہ اصل چیز عقائد نہیں بلکہ اعمال ہیں اور اعمال کے لحاظ سے احمدی جماعت اس وقت اسلام کی تنہا نمائندہ جماعت ہے۔

(منقول از ''نگار'' ماہ ستمبر 1961ء صفحہ 27 تا 32)

مدیر چٹان کی ایک غلط فہمی کا ازالہ

''اس وقت احمدیوں سے زیادہ باعمل و منظم جماعت کوئی دوسری نہیں اور جب تک ان کی یہ تنظیم قائم ہے میں ان کو سب سے بہتر مسلمان کہتا رہوں گا خواہ اپنی نااہلی، کم ہمتی، بے عملی یا برخود غلط عقل پسندی کی بناء پر میں کبھی ان میں شامل نہ ہو سکوں۔''

(نیاز فتحپوری)

علامہ نیاز فتحپوری نے جماعت احمدیہ کے متعلق اپنے دلی خیالات کا واشگاف الفاظ میں اظہار فرمایا تو نہ صرف بعض افراد نے اس پر غم وغصہ کا اظہار کیا بلکہ جرائد ورسائل نے بھی آپ کے متعلق بے سروپا باتیں منسوب کر دیں۔ان میں سے ہفت روزہ ''چٹان'' لاہور کا جواب علامہ موصوف نے ماہنامہ ''نگار'' کی اشاعت ماہ نومبر 1961ء میں تحریر فرمایا اور جماعت احمدیہ کے متعلق ان کے غیر اسلامی عزائم کا واضح الفاظ میں ازالہ فرمایا۔

(مرتب)

پچھلے دو سال کے اندر مرزا غلام احمد صاحب کے متعلق میں نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے اور اس باب میں اخبار چٹان لاہور اور بعض دوسرے پاکستانی جرائد نے جو رائے زنی کی ہے اس کو دیکھ کر بعض حضرات کو یہ کہنے کا موقعہ ملا ہے کہ میں احمدی ہو گیا ہوں یا یہ کہ مائل بہ احمدیت ہوں۔ خیر عوام کو تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن مجھے حیرت ہوتی ہے چٹان جیسے مؤقر اخبارات پڑھ کہ وہ اب تک نہ مجھے سمجھ سکے اور نہ میرا نقطہ نظر۔

میں نے اس وقت جو کچھ لکھا ہے وہ صرف مرزا غلام احمد صاحب کی ذات تک محدود ہے۔ ان کے عقائد سے میں نے کوئی بحث نہیں کی اور نہ میں اس کی ضرورت محسوس کرتا ہوں کیونکہ جس حد تک مابعد الطبیعیات عقائد کا تعلق ہے ان کے پیش نظر میرا مسلمان ہونا ہی میں شک ہے۔ چہ جائیکہ میرا احمدی ہو جانا کہ وہ تو ایسی سخت منزل ہے کہ اگر میں اپنے ضمیر کے خلاف ان تمام کو تسلیم کر لوں تو بھی میرے لئے وہاں کوئی جگہ نہیں۔ احمدیت نصف سے زیادہ عمل و اخلاق کی گرمجوشی کا نام ہے اور یہاں یہ پارہ صفر سے بھی کئی درجہ نیچے ہے۔

احمدی جماعت کے حالات پر غور کرنے کی تحریک سب سے پہلے مجھ میں اب سے چند سال قبل اس وقت پیدا ہوئی جب پاکستان کی مسلم اکثریت نے احمدی جماعت کو کافر قرار دے کر اس کے خلاف ہنگامہ قتل وخون ریزی برپا کیا تھا۔ اس سلسلہ میں مجھ کو سب سے زیادہ تکلیف اس بات سے ہوئی کہ اگر احمدی جماعت کو کافر تسلیم کر لیا جائے تو بھی ان کو قتل و ذبح کرنا کہاں کا اسلام اور شیوہ مردانگی تھا۔ اس کے بعد جب میں نے جاننا چاہا کے پاکستان کے غازیان احرار کیوں احمدیوں کو کافر کہتے ہیں تو تحقیق و مطالعہ سے معلوم ہوا کہ ان سب سے بڑا الزام احمدیوں پر یہ ہے کہ وہ رسول کریم ﷺ کو خاتم الرسل تسلیم نہیں کرتے۔ یہ جان کر میری حیرت کی انتہاء نہ رہی کیونکہ اگر یہ سچ ہو تو بھی

کسی کو کیا حق پہنچتا ہے کہ اس جرم میں انہیں دار پر چڑھا دیں۔ جبکہ پاکستان کی غیر مسلم لاکھوں آبادی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رسول ہی تسلیم نہیں کرتی۔ چہ جائیکہ انہیں خاتم الرسل سمجھنا اور ان کو گردن زدنی نہیں سمجھا جاتا۔ اس سلسلہ میں مجھے احمدی جماعت کا لٹریچر دیکھنے کا شوق پیدا ہوا۔ اور **میں نے جب مرزا صاحب کی تصانیف کا مطالعہ شروع کیا تو میں اور زیادہ حیران ہوا کیونکہ مجھے ان کی کوئی تحریر ایسی نہیں ملی جس سے اس الزام کی تصدیق ہو سکتی۔ بلکہ برخلاف اس کے میں نے ان کو رسالت کا اقرار کرنے والا اور صحیح معنی میں عاشق رسول پایا۔** اس کے ساتھ میں نے مرزا صاحب کی زندگی کا مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ وہ یقیناً بڑے مخلص، بڑے باعمل، بڑے عزم و ہمت والے انسان تھے اور انہوں نے مذہب کی صحیح روح کو سمجھ کر اسلام کی وہی عملی تعلیم پیش کی جو عہد نبوی و خلفائے راشدین کے زمانہ میں پائی جاتی تھیں۔ میں نے ان کے مخالفین کی بھی تحریریں پڑھی جن میں مرزا صاحب کو کافر ملعون اور مکار و غدار کہا گیا ہے۔ لیکن میں نے ان تحریروں میں مطلقاً کوئی وزن نہیں پایا۔

مرزا صاحب کے خلاف دوسرا الزام یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو مہدی موعود اور مثیل مسیح کہتے ہے۔ سو اس کو میں نے کبھی قابل توجہ نہیں سمجھا کیونکہ میں سرے سے ان روایات کا قائل ہی نہیں۔ تاہم مرزا صاحب کے حالات زندگی کے مطالعہ کے بعد میں اس نتیجہ پر ضرور پہنچا کہ وہ روایات متداولہ کی بناء پر واقعہ اپنے آپ کو مہدی موعود یا مثیل مسیح سمجھتے تھے۔ اور اگر ایسا سمجھنا یا سمجھانے کے بعد انہوں نے ایک باعمل جماعت مسلمانوں میں پیدا کر دی تو اس کے خلاف مجھے اعتراض ہو تو ہو لیکن ان لوگوں کو کہنے کا کوئی حق حاصل نہیں جو خود مہدی موعود مثیل مسیح کے ظہور کی پیشگوئیوں کو صحیح سمجھتے ہیں۔ میرا مسلک مذہب کے باب میں یہ ہے کہ جو شخص اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے وہ قطعاً مسلمان ہے۔ اور کسی کو اسے غیر مسلم یا کافر کہنے کا حق نہیں پہنچتا۔ کیونکہ ہر مسلمان خواہ وہ کسی جماعت سے تعلق رکھتا ہو کم از کم وحدانیت و رسالت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ضرور قائل ہے اور اسلام

کا نام صرف عقیدہ کا ہے۔ رہے فروعی مسائل سو ان کا اختلاف کوئی ایسا اختلاف نہیں جن کی بناء پر کسی جماعت کو اسلام سے خارج کر دیا جائے۔

جس حد تک ذاتی عقائد کا تعلق ہے مجھے شیعہ، سنی، خارجی، احمدی، اہل قرآن، اہلِ حدیث، مقلدین اور غیر مقلدین سب سے اختلاف ہے، کسی سے کم کسی سے زیادہ۔ لیکن میں ان سب کو مسلمان اور ہیئت اجتماعی کا فرد سمجھتا ہوں۔ ہاں اس سے ہٹ کر جب سوال ترجیح و تفوق کا سامنا آتا ہے تو میں بے شک یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہوں کہ اس وقت احمدیوں سے زیادہ باعمل و منظم جماعت کوئی دوسری نہیں اور جب تک ان کی یہ تنظیم قائم ہے میں ان کو سب سے بہتر مسلمان کہتا رہوں گا۔ خواہ اپنی نااہلی، کم ہمتی، بدعملی، یا برخود غلط عقل پسندی کی بناء پر میں کبھی ان میں شامل نہ ہو سکوں............ میں یہ نہیں کہتا کہ احمدی جماعت فرشتوں کی جماعت ہے اور وہ کبھی کسی گناہ کے مرتکب نہیں ہوئے۔ لیکن میں یہ ضرور جانتا ہوں کہ اگر دوسری جماعتوں میں فی ہزار ایک سچا مسلمان ملے گا تو ان میں پچاس فیصدی ایسے افراد مل جائے گے جو اپنی انسانیت اور بلندی اخلاق کے لحاظ سے واقعی مسلمان کہے جا سکتے ہیں۔ پھر جب میں یہ دیکھتا ہوں کہ اس جماعت کی یہ عزیمت و تنظیم نتیجہ ہے صرف مرزا صاحب کی بلند شخصیت کا تو وہ مجھے مہدی موعود سے بھی زیادہ اونچے نظر آتے ہیں کیونکہ اوّل تو ظہور مہدی عقیدہ ہی سرے سے بے معنی سی بات ہے لیکن اگر کبھی وہ تشریف بھی لائیں تو شاید اس سے زیادہ کچھ نہ کر سکیں جو مرزا صاحب نے کر دکھایا۔

(منقول از ''نگار'' ماہ نومبر 1961ء صفحہ 2 تا 3)

علامہ نیازی فتحپوری کے جماعت احمدیہ کے متعلق مضامین سے متاثر ہو کر غیر از جماعت دوست صوفی فقیر محمد صاحب نے اپنے خیالات کا یوں اظہار فرمایا:

نیاز صاحب کی بات سن کر بھڑک گیا ہے مزاج میرا
نہ چھیڑو مجھ کو میں رو پڑوں گا دل بھرا ہوا ہے آج میرا
یہ کیا غضب ہے، یہ کیا ستم ہے یہ کیا بلا ہے نیاز صاحب
جو خاص باتیں تھیں عام کہدیں، عجب ادا ہے نیاز صاحب
بڑی سعادت ہے حق پسندی بڑی غنیمت ہے راست گوئی
برا ہو ضد کا جنوں کا ہٹ کا کسی کی سُنتا نہیں ہر کوئی
نئی نئی سی ہوئی ہے رغبت بھی ربوہ کی سر زمین سے
سما گیا ہے نظر میں دل میں ہوا ہوں دو چار ان حسین سے
یہ شعر بازی ہے اک بہانہ لکھ رہا ہوں سلام ان کو
صبا ہو بس میں تو ایک جھونکے میں لاکھ بھیجوں پیام ان کو

ربوہ اور نگار

''سب سے بڑا الزام ان پر یہ عائد کیا جاتا ہے کہ وہ ختم نبوت کے قائل نہ تھے۔حالانکہ اس سے زیادہ لغو لایعنی الزام کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا۔وہ یقیناً ختم نبوت کے قائل تھے اور غالباً اس شغف و شدت کے ساتھ جو ایک سچے عاشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پایا جانا چاہئے۔''

(نیاز فتحپوری)

مکرم عبدالحمید صاحب نعمانی آف راولپنڈی نے علامہ نیاز فتحپوری صاحب کو اپنے خط میں تحریر کیا:

''مجھے معلوم ہوا ہے کہ جماعت احمدیہ ربوہ کی طرف سے آپ کو ساڑھے پانچہزار روپے دیئے گئے ہیں تا کہ میں نگار کو پاکستان سے نکالوں۔ میری رائے میں آپ کو راولپنڈی آکر نگار نکالنا چاہئے۔ اسلام آباد یہاں نیا شہر بن رہا ہے اور ترقی کی سکیمیں سامنے ہیں''۔

علامہ موصوف نے اس خط کا تفصیل سے جواب دیا اور ایسے غلط اور من گھڑت الزامات کی تردید کی اور جماعت احمدیہ سے موافقت کے متعلق حقائق کی وضاحت فرمائی۔ اس ضمن میں آپ نے ایک بڑی ہی عمدہ تجویز پیش کی کہ جماعت احمدیہ کے متعلق محض سنی سنائی باتوں کو باور نہیں کرنا چاہئے بلکہ خود ذاتی مطالعہ سے حقیقت حال دریافت کرنے کی سعی کرنا چاہئے۔

(مرتب)

عزیز من...... مجھے ربوہ سے ساڑھے پانچ ہزار کی امدادی رقم ملنے کی جو خبر آپ نے سنی ہے وہ بالکل غلط ہے اور مجھے حیرت ہے کہ آپ نے جو کچھ میری افتادِ طبع سے پوری طرح واقف ہیں کیونکر اس کا یقین کر لیا کہ جو کچھ میں احمدیت کی موافقت میں لکھ رہا ہوں وہ نتیجہ ہے اس امداد کا۔

آج تک میں ربوہ نہیں گیا اور نہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب سے مل سکا لیکن ارادہ ضرور ہے اور میں چاہتا ہوں کہ وہاں احمدی جماعت کی تنظیم کا مطالعہ کروں۔ گو میں قادیان جا کر وہاں کی تنظیم کا بڑا گہرا اثر دل پر لے آیا ہوں۔ اور ربوہ میں بھی یقیناً وہی ہو گا جو قادیان میں دیکھ چکا ہوں۔ بہرحال آپنے جو کچھ سنا ہے وہ بالکل غلط ہے اور آپ جانتے ہیں کہ جس حد تک میرے ضمیر کا تعلق ہے وہ کسی قیمت پر نہیں خریدا جا سکتا۔

پچھلے دو سال کے اندر بے شک میں نے مرزا غلام احمد صاحب اور ان کی تحریک کو بہت سراہا ہے لیکن محض بر بنائے حقیقت و صداقت و آزادی ضمیر۔ مجھے معلوم تھا کہ سارا زمانہ احمدی جماعت اور مرزا غلام احمد صاحب کا مخالف ہے لیکن جب میں نے خود اس جماعت کے لٹریچر اور اس کے عملی پہلو کا مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ یہ مخالفت محض بر بنائے عصبیت ہے اور جو الزام مرزا صاحب موصوف پر قائم کئے جاتے ہیں ان میں صداقت کا شائبہ تک نہیں۔

سب سے بڑا الزام ان پر عائد کیا جاتا ہے کہ وہ ختم نبوت کے قائل نہ تھے۔ حالانکہ اس سے زیادہ لغو و لایعنی الزام کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا۔ وہ یقیناً ختم نبوت کے قائل تھے اور غالباً اسی شغف و شدت کے ساتھ جو ایک سچے عاشق رسول میں پایا جانا چاہئے۔ وہ اپنے آپ کو بر بنائے تقلید نبوی ، رسول کا سایہ اور اسوہ نبوی کا مظہر ضرور قرار دیتے تھے۔ سو یہ کوئی قابل اعتراض بات نہیں۔ ہر شخص جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زندگی کو سامنے رکھ کر اس کی تقلید کرے وہ ''ظل نبوی'' کہلایا جائے گا اور اگر

مرزا صاحب نے عملاً اس کو کر دکھایا تو وہ یقیناً ظل نبوی بھی تھے اور بروز اُسوہ رسول بھی۔

کتنے افسوس کی بات ہے کہ لوگ نہ احمدی جماعت کے لٹریچر کا مطالعہ کرتے ہیں اور نہ ان کے کارناموں کو دیکھتے ہیں اور محض سنی سنائی بات پر اعتماد کر کے اس کی طرف سے بدظن ہو جاتے ہیں۔

کس قدر عجیب بات ہے کہ مخالفین احمدیت بھی اس کی تنظیم اور اس کی وسعت تبلیغ کے قائل ہیں (جن سے دجال کے دور افتادہ علاقوں میں بھی اسلام کی حقیقت لوگوں پر واضح ہوتی جا رہی ہے) لیکن جس وقت سوال مرزا غلام احمد صاحب کے عقائد و کردار کا آتا ہے تو وہ چراغ پا ہو جاتے ہیں محض اس لئے کہ ان کے زمانہ میں چند سر پھرے مولوں نے بر بنائے رشک اپنی نااہلیت چھپانے کے لئے میرزا صاحب موصوف کو برا بھلا کہنا شروع کیا تھا۔

آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ مرزا صاحب نے چھیاسی (86) سے زیادہ کتابیں اپنی مختصر عمر میں لکھیں اور ان سب کا مقصود صرف یہ تھا کہ وہ دنیا کے سامنے اسلام کو صحیح معنوں میں پیش کریں اور مسلمانوں کی ایک باعمل جماعت دنیا میں پیدا کر سکیں۔ سو آپ خود غور کیجئے کے ان کے مخالفین کوئی دس آدمیوں کی بھی جماعت پیدا نہ کر سکے اور مرزا صاحب کی تعلیم کے زیر اثر آج دنیا کے ہر گوشہ میں لاکھوں انسان تعلیم اسلام سے روشناس ہو چکے ہیں اور اس قدر پابندی سے احکام اسلام کے متبع ہیں کہ مجھے تو اس کی مثال کسی بڑے سے بڑے عمامہ بند مولوی میں بھی نہیں ملتی۔

آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ مذہب اسلام کوئی خیالی مذہب نہ تھا اور نہ اس کی بنیاد کسی ذہنی فلسفہ پر قائم تھی بلکہ وہ یکسر عمل ہی عمل تھا اور احمدی جماعت نے اسی عملی پہلو کو سامنے رکھ کر اپنی جماعت میں ایک ایسی نئی روح پھونک دی جس کی مثال ہمیں کسی دوسری مسلم جماعت میں اس وقت نہیں ملتی۔ کس قدر تعجب کی بات ہے کہ وہ افراد جو نماز باجماعت کے پابند ہوں، جو ایام صیام کا پورا احترام کرتے ہوں جو صدقہ و خیرات کی رقم بغیر کسی پس و پیش کے نکالتے ہوں، جو لہو و لعب کی زندگی سے متنفر ہوں، جو حد درجہ سادہ معاشرت بسر کرتے ہوں جو کسی وقت بیکار زندگی نہ بسر کرتے ہوں، جو

ہر وقت انسان کی مدد کے لئے آمادہ رہتے ہوں، جو صادق القول ہوں، امین ہوں، عہد و پیمان کے پابند ہوں، ان کو آپ برا کہتے ہیں، صرف اس لئے کہ وہ مرزا غلام احمد صاحب کو موعود سمجھتے ہیں۔ حالانکہ جس حد تک روایات کا تعلق ہے وہ مرزا صاحب پر منطبق ہو سکتی ہیں۔

آپ آج کل علیل ہیں اس لئے مطالعہ کتب کا وقت آپ کے پاس کافی ہوگا! اگر نامناسب نہ ہو تو سب سے پہلے مرزا صاحب کی براہین احمدیہ پڑھ ڈالئے اور اس کے بعد ان کی دوسری تصانیف۔ آپ پر خود واضح ہو جائے گا کہ میرزا صاحب کتنے بڑے انسان، کتنے سخت قائل نبوت تھے اور کیسے کیسے جھوٹے انسانوں نے ان کے بلند کردار پر خاک ڈالنے کی کوشش کی۔

اب رہا آپ کا آخری مشورہ کہ نگار پاکستان سے نکالا جائے سو آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ میرا لڑکا عارف نیازی ''نگار پاکستان'' کے نام سے یہ بھی کر رہا ہے۔ اور یہ پرچہ ہو بہو نگار لکھنؤ کا پرچہ ہوتا ہے۔

یہ درست ہے کہ راولپنڈی بڑی اچھی جگہ ہے اور میں بھی بہت پسند کرتا ہوں میرے بہت اعزہ بھی وہاں رہتے ہیں لیکن نگار پاکستان کی اشاعت وہاں سے ممکن نہیں کیونکہ اس کا ڈیکلریشن کراچی میں منظور ہوا ہے اور وہیں اس کا دفتر قائم ہو چکا ہے۔ رہا نگار لکھنؤ سو بدستور یہیں سے جاری رہے گا جب تک اس کی سکت مجھ میں باقی ہے۔ خدا تعالیٰ آپ کو شفاء عاجل عطا فرمائے۔

(نگار لکھنؤ ماہ مئی 1962ء)

فضل عمر پبلک لائبریری مارٹن روڈ کراچی کی افتتاحی تقریب

میں

خطاب

''اگر یہ تحریک بے جان ہوتی اور اس کی بنیاد کمزور ہوتی تو دوسروں جماعتوں کی طرح یہ بھی ختم ہو چکی ہوتی۔لیکن جس وقت ہم دیکھتے ہیں کہ یہ تحریک ایک مختصر گاؤں سے شروع ہو کر نصف صدی کے اندر تمام دنیا کے تمام گوشوں تک پہنچ جاتی ہے تو ہم کو اس کی استقامت عزم کا اعتراف کرنا پڑتا ہے اور یہ استقامت کسی جماعت میں اس وقت پیدا ہو سکتی ہے جب اس کا بانی و موسس خود بڑا مخلص انسان ہو۔''

(نیاز فتحپوری)

مجلس خدام الاحمدیہ کراچی نے علاقہ مارٹن روڈ میں مسجد کے ساتھ ایک ''**فضل عمر چیری ٹیبل ڈسپنسری**'' کے علاوہ ایک ''**فضل عمر پبلک لائبریری**'' کا بھی انتظام فرمایا۔ اس دار المطالعہ کا سنگ بنیاد سیدنا حضرت المصلح الموعودؓ نے 1958ء میں رکھا تھا۔ اس کی تعمیر و تکمیل کے بعد اس علمی اور کار خیر کے لئے ایک افتتاحی تقریب کا انعقاد کیا گیا۔ اس غرض کے لئے علامہ نیاز فتحپوری کو دعوت دی گئی جسے آپ نے قبول فرمایا۔ اس سادہ اور پروقار افتتاحی تقریب میں آپ کی خدمت میں ایک سپاس نامہ پیش کیا گیا جس میں مجلس خدام الاحمدیہ کی مساعی کا ایک مختصر خاکہ بھی پیش کیا گیا۔ اس کے جواب میں علامہ موصوف نے جو خطاب حاضرین سے فرمایا اس میں جماعت احمدیہ کی مفاد عامہ کے لئے مساعی جمیلہ کو سراہا۔

(مرتب)

اس سے قبل کہ رسمی باتیں شروع ہوں مجھے اجازت دیجئے کہ اپنے بعض وہ تاثرات پیش کروں جن کا تعلق معلوم نہیں میرے احساس کمتری سے ہے یا آپ حضرات کے غیر معمولی حسن اخلاق سے، ہوسکتا ہے کہ دونوں سے ہو!

باور کیجئے کہ مجھے جب بھی آپ حضرات کی معیت کا اتفاق ہوا ہے میں نے ہمیشہ یہی محسوس کیا ہے کہ میں اس دنیا سے ہٹ کر کسی اور فضا میں سانس لے رہا ہوں۔ اوّلین احساس بوئے خوشدلی کا ہوتا ہے اور اس کے بعد اپنی نااہلی کا۔ خوشدلی آپ حضرات کے خلوص وصداقت کی اور محرومی اپنی نااہلی اور نارسائی کی۔ چنانچہ اس وقت بھی میں اس جذبہ سے دوچار ہوں جس کو اگر میں ظاہر نہ کروں تو شائد میرے دل کی گھٹن دور نہ ہو۔

احمدی تحریک کا ذکر تو میں عرصہ سے سنتا چلا آ رہا تھا لیکن خود اس پر غور وفکر کرنے کا موقعہ حال ہی میں ملا۔ **میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ اگر تعلیم اسلام کا مقصود واقعی بلندی کردار، حسن عمل اور طہارت نفس ہے (جس سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا) تو اس وقت غالباً احمدی جماعت ہی وہ جماعت ہے جس نے صحیح معنی میں اس مقصد عظیم کو سمجھا اور اسے اجتماعی حیثیت بخشی۔** میں شائد مذہبی افادیت کا قائل ہوں لیکن صرف اس معنی میں کہ وہ ذریعہ وواسطہ ہیں صحیح اخلاق انسانی کی تعمیر کا۔ لیکن اگر ہمارے اندر پاکیزگی نفس علوئ کردار پیدا نہ کرسکیں تو میرے نزدیک یہ بت پرستی ہی کی دوسری صورت ہے۔ **وَلِلّٰہِ درّ مَاقَالَ**

یا ربّ رسل حادثہ طوفان رسیدہ بود
بُت خانہ کہ خانقہش نام کردہ اند

پھر اگر اس کے ساتھ اس حقیقت کو بھی سامنے رکھا جائے کہ مذہب کا مقصود محض انفرادی اصلاح

نہیں بلکہ اس کا نقطۂ نظر اجتماعی اصلاح پورے جامعۂ بشری کی اصلاح ہے تو پھر تمام مذاہب عالم میں صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس نے ارتقاء انسانی کا یہ بلند نظریہ پیش کیا اور اس کو بروئے کار لانے کے لئے عقائد کو یکسر عمل میں تبدیل کر دیا۔

دنیا کے تمام مذاہب مخصوص تھے محض اقوام کے لئے۔ لیکن اسلام کا خطاب تمام عالم انسانی سے تھا۔ معمورۂ دنیا کی پوری ہیئت اجتماعی سے تھا۔ اور اسی بناء پر اس نے اکمل ادیان عالم ہونے کا دعویٰ کیا۔ الغرض یہ تھا اصل مفہوم و مقصود اسلام کا جو افسوس ہے کہ عہد سعادت و عہد خلفائے راشدین کے بعد رفتہ رفتہ فراموش ہو گیا اور مسلمان بجائے اس کے کہ وہ دوسروں کو اصلاح و اجتماع کی دعوت دیتے خود افتراق و انتشار کا شکار ہو گئے اور مذہب نام رہ گیا صرف روایات کا۔

یہ حالت صدیوں جاری رہی یہاں تک کہ اسلام کو مرد بیمار سمجھ کر چاروں طرف سے اس پر حملے ہونے لگے اور اس کی کسم پرسی انتہاء کو پہنچ گئی۔ یہی وہ وقت تھا اور یہی وہ فضا تھی ہندوستان کی جب ایک مرد عمل سرزمین قادیان سے اُٹھا اور اس نے تن تنہا تمام مخالف طوفان کا مردانہ مقابلہ کر کے دنیا پر ثابت کر دیا کہ خدا کا روشن کیا چراغ مدھم تو ہو سکتا ہے لیکن اسے بجھایا نہیں جا سکتا۔ ولو کرہ المشرکون

اس وقت مجھے اس سے بحث نہیں کہ (حضرت) میرزا غلام احمد صاحب نے اپنے آپ کو کس حیثیت سے پیش کیا، یا یہ کہ اپنے آپ کو کیا سمجھا، بلکہ صرف یہ ہے کہ کیا کیا، یا کیا کر دکھایا اور کیونکر ایسی مضبوط اور باعمل جماعت قائم کر سکے جس کی بے پناہ عملی قوت کا اعتراف ان کے مخالفین کو بھی ہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ۔

احمدی جماعت کے قیام کو زیادہ زمانہ نہیں گزرا۔ تاہم اتنا زمانہ یقینا گزر چکا ہے کہ اگر یہ تحریک بے جان ہوتی تو اس کی بنیاد کمزور ہوتی تو دوسری جماعتوں کی طرح یہ بھی ختم ہو چکی ہوتی۔ لیکن جس وقت ہم دیکھتے ہیں کہ یہ تحریک ایک مختصر گاؤں سے شروع ہو کر نصف صدی کے اندر تمام دنیا کے تمام گوشوں تک پہنچ جاتی ہے تو ہم کو اس کی استقامت عزم کا اعتراف کرنا پڑتا ہے اور یہ استقامت

کسی جماعت میں اس وقت پیدا ہوسکتی ہے جب اس کا بانی و موسس خود بڑا مخلص انسان ہو۔

کیست کز کوشش فرہاد نشاں باز دہد
مگر آں نقش کہ از تیشۂ فرہاد بہ خارا ماند

جماعت احمدیہ کا دائرۂ عمل جس حد تک وسیع ہو چکا ہے اس کی تفصیل کا موقع ہے نہ ضرورت، لیکن اس وقت یہ ظاہر کر دینا غالباً نامناسب نہ ہوگا کہ اس کا نصب العین صرف قرآن اور اسلامی لٹریچر کی اشاعت ہی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ تعلیمات اسلام، اخلاق اسلام اور غائت ظہور اسلام کی عملی مثالیں بھی قائم کرنا ہے۔ یعنی وہ صرف یہ کہہ کر خاموش نہیں ہو جاتے کہ اخلاق بلند کرو بلکہ اپنے کردار عمل سے بھی اس تعلیم کی برکات کا ثبوت دیتے ہیں۔ اتنا صریح روشن اور واضح ثبوت جس سے غض بصر ممکن ہی نہیں۔ چنانچہ اگر تحریک احمدیت کے آغاز سے اس وقت تک کی ان تمام خدمات کا جائزہ لیں جو اس نے خالص اخلاقی نقطۂ نظر سے مفاد عامہ کے لئے انجام دی ہیں تو آنکھیں کھلی رہ جاتی ہیں۔ انہوں نے مدارس قائم کئے، شفا خانے تعمیر کروائے۔ انہوں نے بلا تفریق مذہب وملت طلباء کے وظائف مقرر کئے، غرباء ومساکین کا مفت علاج کیا، یتامیٰ کی کفالت کی، بیواؤں کے دکھ درد میں شریک ہوئے اور ان کی گرانقدر خدمات وسیع سے وسیع تر ہوتی جارہی ہیں۔

اب شاید دو تین سال قبل کی بات ہے جب فضل عمر ہسپتال کراچی کی عمارت دیکھنے کا موقع مجھے ملا تھا اور یہ معلوم کر کے حیران رہ گیا۔ جب مجھے بتایا گیا کہ یہ تعمیر محض یہاں کے احمدی نوجوانوں کے ہاتھوں وجود میں آئی ہے تو معاً میرا ذہن قادیان کے اس مجاہد اعظم کی طرف منتقل ہوا جس کے فیضان تعلیم نے ایثار وقربانی اور سعی وعمل کا یہ جذبہ اپنے متبعین میں پیدا کیا اور اس خیر جاریہ کی تشکیل کے لئے اتنے جان نثار وفدائی پیدا کر دیئے۔ پھر میں یہاں سے چلا گیا لیکن اس کا اتنا گہرا اثر دل پر لے گیا کہ اس کے بعد جب بھی کسی نے احمدی تحریک کا ذکر چھیڑا تو میں نے اس کی قوت عمل کے ثبوت میں ہمیشہ اپنے نئے تجربہ کو پیش کیا۔ (منقول از اخبار الفضل ربوہ۔12 راکتوبر 1963ء)

جماعت احمدیہ کی مثالی اور نا قابل فراموش خدمات

مکرم علامہ نیاز فتحپوری صاحب نے نہ صرف فضل عمر ڈسپنسری کی افتتاحی تقریب میں شمولیت فرما کر خطاب فرمایا بلکہ اس کے بعد ڈسپنسری کا معائنہ کرنے کے بعد اس کی ریمارکس بک میں مندرجہ ذیل قابل قدر الفاظ میں جماعت کو خراج وعقیدت پیش فرمایا:

''فضل عمر ڈسپنسری دیکھنے کے بعد کسی کا صرف یہ کہہ دینا کہ اسے دیکھ کر بہت خوشی ہوئی بڑا ناقص اعتراف ہے اس عظیم خدمت انسانی کا جو یہ ڈسپنسری انجام دے رہی ہے۔ مارٹن روڈ اور گولیمارکہ دونوں شفا خانے جنہیں خدام جماعت احمدیہ نے واقعتاً اپنے ہاتھوں سے تعمیر کیا ہے، جذبہ خیر، جوش عمل اور جسم وروح کی بیداری کی ایسی کھلی ہوئی نشانیاں ہیں جس سے ''غضّ بصر'' ممکن نہیں۔ان شفا خانوں کا اصل مقصد خالصتاً للہ انسانی درد و دکھ میں شریک ہونا ہے اور اسی لئے دواؤں کے علاوہ یہاں غذائیں بھی مفت تقسیم کی جاتی ہیں۔اور دار المطالعہ بھی قائم کر دیا گیا ہے۔اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں کے اس دور بے عملی میں جماعت احمدیہ کا قیام نوع انسانی کی اتنی بڑی خدمت ہے جسے تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی اور جس جماعت کی تعمیر اس بنیان مرصوص پر قائم ہو وہ کبھی فنا نہیں ہو سکتی۔''

علامہ نیاز فتحپوری کے چند

مکتوبات ورسائل

علامہ نیاز فتحپوری نے وقتاً فوقتاً جو مکتوبات و رسائل جماعت احمدیہ کے امام اور دیگر زعماء کو تحریر فرمائے ان میں سے بعض خطوط من وعن درج کئے جارہے ہیں۔

آپ نے ایک خط سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت اقدس میں اکتوبر 1959ء کو تحریر فرمایا جس میں حضورؓ کی تفسیر کبیر کے مطالعہ کے بعد اپنے شاندار تاثرات کا ذکر کرنے کے علاوہ ایک علمی نقطہ کے متعلق استفسار فرمایا تھا۔ نیاز صاحب کا یہ خط اور حضورؓ کی طرف سے اس کا جواب دونوں درج کر دئے گئے ہیں۔

علامہ موصوف کا جماعت احمدیہ سے باقاعدہ تعارف دعوت وتبلیغ قادیان کی طرف سے لٹریچر کی ترسیل سے ہوا تھا۔ اس بناء پر آپ کی صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب ناظر دعوۃ وتبلیغ کے ساتھ عرصہ تک خط وکتابت رہی جس کا سلسلہ 1958ء سے شروع ہوکر تادم واپسیں رہا۔ چنانچہ اکثر خطوط آپ کے صاحبزادہ صاحب موصوف ہی کے نام ہیں۔ ان مکتوبات کے مطالعہ سے علامہ موصوف کے عزم واستقلال اور بے مثال جرأت اور شاندار تنقیدی زاویہ نگاہ کا اندازہ ہوسکتا ہے۔

(مرتب)

علامہ نیاز فتحپوری کا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت اقدس میں مکتوب

Nigar Building Lukhnow
5-10-59

مطاعی الاعز

السلام علیکم

حضرت کی تفسیر کبیر جلد سوم آج کل میرے سامنے ہے اور میں اسے بڑی نگاہ غائر سے دیکھ رہا ہوں۔اس میں شک نہیں کہ مطالعہ قرآن کا ایک بالکل نیا زاویہ فکر آپ نے پیدا کیا ہے اور یہ تفسیر اپنی نوعیت کے لحاظ سے بالکل پہلی تفسیر ہے جس میں عقل و نقل کو بڑے حسن سے ہم آہنگ دکھایا گیا ہے۔آپ کا تبحر علمی، آپ کی وسعت نظر، آپ کی غیر معمولی فراست، آپ کا حسن استدلال، اس کے ایک ایک لفظ سے نمایاں ہے۔اور مجھے افسوس ہے کہ میں کیوں اس وقت تک اس سے بے خبر رہا۔کاش کہ میں اس کی تمام جلدیں دیکھ سکتا۔

کل سورہ ہود کی تفسیر میں حضرت لوطؑ پر آپ کے خیالات معلوم کر کے جی پھڑک گیا اور بے اختیار یہ خط لکھنے پر مجبور ہو گیا......آپ نے ھٰؤُ لَاءِ بناتی کی تفسیر کرتے ہوئے عام مفسرین سے بحث کا جو پہلو اختیار کیا ہے اس کی داد دینا میرے امکان میں نہیں۔(خدا آپ کو تا دیر زندہ و سلامت رکھے)لیکن اس سلسلہ میں ایک خلش ضرور باقی رہ گئی وہ یہ کہ حل لغات کے تحت آپ نے ''ھُنَّ اَطھرَ لَکُمْ'' میں لفظ اطھر کی وضاحت نہیں فرمائی۔اس جگہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر حضرت لوطؑ اپنی بیٹیوں کو بطور یرغمال یا ضمانت پیش کرنا چاہتے تھے تو اطھر لکم کہنے کی کیا

ضرورت تھی۔لفظ اطھر سے ''موزوں یا مناسب'' ہونے کا مفہوم پیدا نہیں ہوتا جو سیاق و سباق کا اقتضاء ہے۔

میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس وقت جب کہ حضرت کا مزاج ناساز ہے میرا یہ سوال کرنا کس حد تک مناسب ہے۔تاہم اس خیال سے کہ ممکن ہے کہ آپ اس باب میں کسی اور ذریعہ یا حوالہ سے مجھے مطمئن کر سکیں۔یہ جسارت کر رہا ہوں اور معذرت خواہ ہوں۔مجھے معلوم نہیں کہ یہ تفسیر مکمل ہو چکی ہے یا نہیں،اگر ہو چکی ہے تو اس کی تمام جلدیں ورنہ جتنی بھی شائع ہو چکی ہیں کسی ذریعہ سے مجھ تک پہنچا دیجئے۔اس کی قیمت میں ادا کر دوں گا۔

جو جلد میرے پیش نظر ہے وہ یہیں مولوی خیر الدین سے میں نے مستعار لی ہے جسے مجھ کو واپس کرنا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ یہ تفسیر مجھ سے کبھی جدا نہ ہو اور وقتاً فوقتاً آپ کے ارشادات سے قارئین نگار کو آگاہ کرتا رہوں۔

آپ کی صحت و عافیت کا دعا گو

نیاز فتحپوری

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی طرف سے مکتوب کا جواب

مکرم ومحترم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط جو آپ نے حضرت امام جماعت احمدیت کی تفسیر کبیر پڑھ کر ھٰؤ لاءِ بناتی اطھر لکم آیت کے متعلق استفسار فرمایا تھا۔حضور کی خدمت میں پیش کیا گیا۔حضور اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ اطھُر طَھَرَ سے اسم تفضیل کا صیغہ ہے اور اطَھَرَ الشَّئیْ کے معنی ہیں ابعدہ اس کو دور کیا۔نیز ظاہری گندگی کے علاوہ گناہوں اور عیوب اور اخلاق سیّۂ کی گندگی سے پاک ہونے کے لئے بھی یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے چونکہ جب عورت کے متعلق کہیں گے ھی طاھرۃ تو معنی ہوں گے طاھرۃ من النجاسۃ و العیوب یعنی وہ ہر قسم کے ظاہری اور اخلاقی عیوب سے پاک ہے۔

(اقرب الموارد)

اسی طرح التَطَھُر کے معنی ہیں التَنذہ و الکفّ عن الا ثمِ و مَا لَا یَحمِلُ یعنی گندگی سے پاک ہونا یا ان کے اخلاق سے پاک ہونا جو پسندیدہ نہ ہو۔اسی طرح ان تمام باتوں سے پاک ہونا جو نامناسب ہوں ۔عربی زبان میں کہتے ہیں وَ ثیابکَ فَطھِرّ جس کے لفظی معنی تو یہ ہیں کہ اپنے کپڑوں کو پاک کرو۔لیکن محاورہ میں اس کے معنی ہیں لا تکن غادر اًفَتُدَلِّس ثیابکَ کہ تم بدعہدی کرنے والے نہ بنو ورنہ تم اپنے آپ کو عیب دار کرلو گے۔

(لسان العرب)

چونکہ حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کے لوگوں کو کہا تھا کہ میری بیٹیوں کو یرغمال میں رکھ لو

اور مہمانوں کے متعلق کچھ نہ کہو۔ اس لئے ھُنَّ اَطْھَرُ لَکُمْ کہہ کر انہوں نے اپنی بات کی لطیف رنگ میں دو دلیلیں بھی دیں:

اوّل: انہوں نے فرمایا کہ تم یہ چاہتے ہو کے مہمانوں کو یرغمال میں رکھو۔ لیکن اس کے مقابلہ میں میری بیٹیاں جو تمہارے ہاں بیاہی ہوئی ہیں ان کو یرغمال میں رکھ لو تو یہ تمہارے لئے زیادہ مناسب ہے۔ کیونکہ وہ تمہارے ساتھ غدر نہیں کریں گی اور کوئی بدعہدی نہیں ہوگی۔ گویا اگر مہمانوں کو تم قبضہ میں رکھو گے اور ان کو دق کرو گے تو ہوسکتا ہے کہ وہ تمہاری قید سے بھاگ جائیں۔ لیکن میری بیٹیوں کے متعلق بدعہدی کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ وہ تمہارے ہاں بیاہی ہوئی ہیں اور وہ اِدھر اُدھر نہیں جاسکتیں۔

دوم: اگر تم مہمانوں کو یرغمال میں رکھو گے تو ان کو دق کرنے کی وجہ سے تم گناہ سے پاک نہیں رہ سکتے۔ اس کے مقابل پر اگر میری بیٹیاں یرغمال میں سمجھو تو مہمانوں کو تنگ نہ کر کے تم گناہ سے محفوظ رہ سکو گے اور یہ تمہارے لئے پاکیزگی کا موجب ہوجائے گا اور تمہیں خدا کی رحمت کے قریب کردے گا۔

اگر قرآن مجید اطہر کی جگہ انسب کہہ دیتا تو اس کا صرف یہ مفہوم نکلتا کہ ان لڑکیوں کو یرغمال میں رکھنا مناسب ہے اور مفہوم محمود ہوجاتا ہے۔ لیکن اطہر کا لفظ استعمال فرما کر آپ نے اس طرف توجہ دلائی کہ یہ لڑکیاں دوسرے مہمانوں کی نسبت زیادہ مناسب ہیں اور ان کے مناسب ہونے کی دو وجوہات ہیں:

ا۔ وہ تمہارے ساتھ بدعہدی نہیں کرسکتیں اور میں بھی ان کے یرغمال میں ہونے کی وجہ تمہارے ساتھ بدعہدی نہیں کرسکتا۔

ب۔ اگر بیٹیاں یرغمال میں نہ رکھو گے تو تم مہمانوں کو تنگ کر کے اخلاقی لحاظ سے قابل الزام سمجھے جاؤ گے۔ لیکن بیٹیوں کو یرغمال میں رکھو گے تو تم مہمانوں کو تنگ کرنے کے گناہ سے بچ سکو گے

اور اس طرح وہ تمہاری پاکیزگی اور بلندی اخلاق کا موجب بن جائیگی۔ الغرض **اطھر لکم** کا لفظ لغت کے وسیع معنوں کے لحاظ سے اس جگہ استعمال کیا گیا ہے۔

حضور نے یہ بھی فرمایا کہ تفسیر کبیر کا کام ابھی جاری ہے اور اس کے بعض حصوں کا خلاصہ بھی چھپ چکا ہے۔

فقط

والسلام

پرائیوٹ سکرٹری حضرت خلیفۃ المسیح الثانی

6-4-1960

نوٹ: آئندہ صفحات میں علامہ نیاز صاحب کے وہ چند خطوط ہیں جو آپ نے حضرت صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب ناظر دعوۃ وتبلیغ قادیان کو تحریر فرمائے۔

1

نظارت دعوۃ وتبلیغ قادیان کی طرف سے علامہ نیاز صاحب فتحپوری کی خدمت میں کچھ لٹریچر تبصرہ کے لئے بھجوایا گیا تھا۔اس کے جواب میں انہوں نے تحریر فرمایا:

30/اکتوبر1958ء

مکرمی السلام علیکم

اس دوران میں آپ کے دو رسالے''سکھ مسلم اتحاد'' اور''تبلیغ اسلام'' اردو میں ایک رسالہ''What Is Ahmadiyat''انگریزی میں نظر سے گزرا......ان کو پڑھ کر میں بہت متاثر ہوا۔ مجھے اس وقت تک''تحریک احمدیت'' کے غائر مطالعہ کا موقعہ نہ ملا تھا اور میں ایک حد تک اس تحریک کی طرف سے سوءِظن میں مبتلا تھا۔لیکن اب ان رسائل کے مطالعہ کے بعد میں نے محسوس کیا کہ''احمدیت'' واقعی بڑی زندہ تحریک احیاءِ اسلام کی ہے اور علمی حیثیت سے جو کچھ اس نے کیا ہے اس کی نظیر مشکل ہی سے کسی اور جماعت میں مل سکتی ہے۔ ہر چند کہ آپ کے بعض مابعد الطبعیاتی عقائد میری سمجھ میں نہیں آئے کیونکہ ان میں بھی وہی روایتی خوش اعتقادی نظر آتی ہے جو عام مسلمانوں اور تمام علماء ظواہر کی کتابوں میں پائی جاتی ہے۔تاہم میں سمجھتا ہوں''اصل احمدیت'' یہ نہیں ہے بلکہ احمدیت نام ہے محض اضطراب عمل کا،اور اس باب میں آپ کی مساعی یقیناً قابل صد ہزار ستائش ہیں......ان کتابوں پر مارچ59ء کے نگار میں ریویو ہو سکے گا۔کیونکہ دسمبر کا نگار مرتب ہو چکا ہے اور جنوری فروری59ء کا پرچہ(تنقیح اسلام نمبر) سالنامہ ہوگا۔کاش کہ میں آپ حضرات سے قریب تر ہوتا اور آپ کی دعوت عمل میں حصہ لے سکتا۔

خیر اندیش

نیاز فتحپوری

2

لکھنؤ 7رنومبر

حضرت العلام

مکرمت نامہ کا شکریہ۔ مذہب کے باب میں مجھے سب سے زیادہ اختلاف ما بعد الطبعیاتی عقائد سے ہے۔ خدا کے اس تصور سے جو عام طور پر تمام مذاہب میں پایا جاتا ہے۔ یعنی اسے ایک مستبعد، موجود فی الخارج ہستی سمجھ کر اس سے ہر وقت ڈرتے رہنے کی تلقین کی جاتی ہے۔ ان دونوں مسائل میں آپ میری مفصل رائے میری کتاب ''من ویزاں'' میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ احمدیت کا عملی پہلو حد درجہ قابل تحسین ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اس نے اسلام کے مشن کو سمجھ لیا ہے لیکن اس کے اعتقادی پہلو کی بابت البتہ میں بہت مذبذب ہوں کیونکہ جہاں تک مجھے معلوم ہے آپ بھی مابعد الطبیعاتی عقاید کے پابند ہیں اور احمدی کے لئے ان پر یقین رکھنا ضروری ہے۔ مثلاً سب سے پہلے مسیح موعود ہی کا مسئلہ لیجئے یا بانی احمدیت کے معجزات والہامات کا کہ ان میں بھی وہی روایتی جھلک پائی جاتی ہے اور کوئی منطقی دلیل اس باب میں پیش نہیں کی جا سکتی۔ بہر حال میں آپ کی کتابوں کا بغور مطالعہ کروں گا اور عقب سے اپنی مفصل رائے ظاہر کروں گا۔ عملاً تو میں ہمیشہ سے احمدی ہوں لیکن اعتقاداً میں محض انسان ہوں نہ احمدی نہ حنفی۔

والسلام

نیازؔ

علامہ موصوف کے اس خط کا جواب مکرم صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب ناظر دعوۃ وتبلیغ قادیان نے ان کو تحریر فرمایا۔ وہ اگلے صفحہ پر درج ہے:

علامہ محترم   السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکتہ

آپ کا کارڈ گرامی مورخہ 58-7-11 صادر ہوا۔شکریہ۔ مابعد الطبعیاتی عقائد سے غالباً آپ کی مراد مسئلہ معاد سے ہے۔ اس مسئلہ سے متعلق آپ ''اسلامی اصول کی فلاسفی'' ملاحظہ فرمائیں۔ یہ حضرت بانی جماعت احمدیہ علیہ السلام کا وہ مشہور لیکچر ہے جو جلسہ اعظم مذاہب لاہور میں دسمبر 1896ء میں پڑھ کر سنایا گیا تھا۔اس سے آپ کا مسئلہ معاد کے بارہ میں جماعت احمدیہ کا مسلک معلوم ہو جائے گا۔ آپ کی خدمت میں جو لٹریچر بھجوایا جا چکا ہے جب آپ اسے ملاحظہ فرما چکیں گے تو مزید کتب بھجوا دی جائیں گی۔ چونکہ آپ بیحد مصروف الاوقات ہیں اس لئے آپ کی خدمت میں بیک وقت بہت سا لٹریچر بھجوانا مناسب نہیں سمجھا گیا۔

امید ہے کہ آپ ہمارے لٹریچر کا بنظر عمیق جائزہ لے کر ہمارے اعتقادات کے بارہ میں کوئی نقطہ نظر معین فرمائیں گے۔

''من ویزداں'' میں آپ نے اپنے جن خیالات کا اظہار فرمایا ہے قطع نظر اس کے کہ ہماری جماعت اس میں آپ سے سو فیصد متفق نہیں ،آپ کے دلائل آپ کے طریق استدلال اور مسائل دینی وعلمی پر آپ کے وسیع معلومات اور اسلام کے سوا دوسرے مذاہب کے مطالعہ سے میں بہت متاثر ہوا ہوں اور جیسا کہ آپ نے خود بعض جگہ تحریر فرمایا ہے میں آپکو احمدیت کے بہت قریب سمجھتا ہوں۔ آپ نے اس کتاب میں بعض مسائل پر نہایت سیر حاصل اور عالمانہ بحث فرمائی ہے۔ آپ کے استنباط کے خطوط نہایت دلپذیر بھی ہیں اور فاضلانہ بھی۔

مسئلہ معاد کے بارہ میں آپ کے اعتقادات سے متعلق میرا تاثر یہ ہے کہ موجودہ زمانہ کے وہ علماء جو استنجا کے ڈھیلوں کی تعداد میں اختلاف ہونے پر اپنے کفر کے حربوں سے ایک دوسرے کے

خلاف صف آراء تھے اور اسلام کے مغز کو سمجھنے کی بجائے صرف چھلکوں کی ریسرچ میں مصروف تھے۔ یہ اسی کا ردّعمل ہے اور ہمارے عقیدہ کے مطابق اس کا ردّعمل آسمان کی طرف سے ''مسیح موعودؑ'' ہے جس نے ساری دنیا میں اسلام اور محمد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فوقیت کو ثابت کرنے کے لئے ایک ایسی جماعت اپنے پیچھے چھوڑی ہے جس کو یہ جنون ہے کہ وہ اس کام کی تکمیل سے ادھر دم نہ لے گی۔

میں سمجھتا ہوں اور جیسا کہ آپ نے بھی ایسے اشارے فرمائے ہیں کہ اگر مسلمانوں کے تمام فرقے مجتمع ہو کر اصل اسلام کی خدمت پر کمربستہ ہو جائیں تو انسانیت کی بہت بڑی خدمت ہو گی۔ مگر دقت یہ ہے کہ جبہ پوشوں، گدی نشینوں اور چلہ کشوں کو شمار سبحہ اور سارے عوام کی جیبیں خالی کرنے سے فرصت ہی کب ہے۔ ان کوڑھ مغزوں نے قرآنی استعارات اور اصطلاحات کو نہ سمجھتے ہوئے ایسے ایسے خلاف عقل عقائد گھڑ لئے ہیں کہ عقل کا کوئی گوشہ انہیں باور کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔

انہی ظاہر سرپرست ملاؤں کی اصلاح کے لئے مسیح موعود کا وجود ضروری تھا اور اسی مظلوم اسلام کی حمایت کے لئے مہدی موعود کا آنا ضروری تھا اور ہمارا عقیدہ ہے کہ وہ آچکا ہے اور ہمیں خوشی ہے کہ ہم دنیا کے ہر ملک اور ہر گوشے میں ایک ایسے دین کی اشاعت میں مصروف ہیں جو فطرت کی آواز ہے۔ کاش! اسلام کا درد رکھنے والے ہمارا ساتھ دیتے تا کہ ہم اس مشن کو جلد از جلد مکمل کر سکتے۔

والسلام

خاکسار

مرزا وسیم احمد ناظر دعوۃ وتبلیغ قادیان

13-11-58

3

لکھنؤ 11-14

حضرت العلام 13ر کے مکرمت نامہ کا شکریہ۔

آپ نے بالکل صحیح فرمایا کہ اسلام کے شدید ترین دشمن اغیار نہیں بلکہ خود ہمارے علماء ظواہر ہیں۔اور مجھے انہیں کی جاہلانہ روایت پرستی نے مجبور کیا کہ میں خود اسلام کے سمجھنے کی کوشش کروں اور جوں جوں میں اس راہ میں آگے بڑھتا گیا۔ مجھے اس طبقہ سے نفرت ہوتی گئی۔میں اسلام کو بالکل عملی مذہب سمجھتا ہوں۔لیکن عمل سے میری مراد مادی دنیا کا کاروبار نہیں بلکہ اخلاق و کردار کی بلندی مراد ہے۔لیکن اس سلسلہ میں جب میں بعض عقائد پر غور کرتا ہوں تو میں ان کے سمجھنے سے قاصر رہتا ہوں۔اور ان عقائد میں اہم ترین مسئلہ بقا، روح محشر ونشر اور دوزخ و جنت کا ہے۔میں سمجھتا ہوں کہ موت نسیًا منسیًا کا دوسرا نام ہے۔لیکن میں اب بھی اس پر غور کرنے اور سمجھنے کے لئے آمادہ ہوں۔''اسلامی اصول کی فلاسفی'' ضرور دیکھوں گا۔خدا کرے میری پریشاں خیالی اس سے دور ہوجائے۔

سوچ رہا ہوں کہ اگر موقع ملے تو چند دن کے لئے قادیان آؤں۔بحث ومباحثہ کے لئے نہیں بلکہ آپ حضرات کی زندگی کا خاموش مطالعہ کرنے کے لئے۔

والسلام

نیاز

۞

مکرم علامہ نیاز فتحپوری کے خط کے جواب میں محترم صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب کا بصیرت افروز خط آگے درج ہے:

علامہ محترم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکتہ۔

نامہ گرامی مورخہ 58-11-14 ورود فرما ہوا۔شکریہ قبول فرمائیں۔ مجھے یہ معلوم کر کے بے غایت مسرت ہوئی کہ آپ بشرط فرصت قادیان تشریف لانیکا ارادہ رکھتے ہیں۔اور پھر یہ امر تو اس سے بھی زیادہ باعث بہجت ہے کہ بحث ومباحثہ کے لئے نہیں بلکہ احمدیت یا خدام احمدیت کا خاموش مطالعہ فرمانا چاہتے ہیں،خدا کرے وہ وقت جلد آئے۔ہم ابھی سے آپ کے لئے چشم براہ ہوتے ہیں۔

آپ کا یہ جذبہ کہ آپ صرف خاموش مطالعہ کرنا چاہتے ہیں، بہت سنجیدگی اور صحتمندی کا حامل ہے حقیقت یہ ہے کہ بحث،مباحثے،مناظرے اور تقریری مجادلے نئے نئے مسائل کو جنم دیتے ہیں بلکہ الجھاؤ پیدا کرتے ہیں اور ان کا نتیجہ اکثر و بیشتر سوائے چند گنجلکوں کے کچھ نہیں پاتا۔غالباً اسی لئے قرآن کریم نے مناظرین کو نخوض مع الخایضین کے الفاظ سے یاد فرمایا ہے۔حضرت بانی جماعت احمدیہ علیہ السلام کا یہ طریق تھا کہ آپؑ لوگوں کو ہمیشہ یہ دعوت دیتے تھے کہ قادیان میں آکر مہینہ دومہینہ رہو۔چنانچہ جب بھی کوئی طالب حق آتا۔آپؑ اسے کم ازکم بھی چالیس روز ٹھہرنے کے لئے فرماتے۔ بلکہ اکثر ایسا ہوا کہ جب کوئی شخص چالیس روز کے بعد بھی واپس جانے کی اجازت چاہتا تو آپؑ فرماتے ابھی ٹھہریں۔اور بیسیوں مثالیں ایسی بھی ملتی ہیں کہ آپ نے تحقیق حق کرنے والے بعض لوگوں کو کئی کئی ماہ تک اپنے پاس ٹھہرایا۔اس سے آپؑ کا مقصد یہی ہوتا تھا کہ لوگ آپؑ کے قریب رہ کر آپؑ کا،جماعت کا،اور جماعت کے اعتقادات واعمال کا خاموش مطالعہ کریں۔

سو آپ کا یہ نظریہ تحقیق عین ہماری خواہش کے مطابق ہے۔کیونکہ رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں صحابہ رضوان اللہ علیہم نے آپ ﷺ کے اسوہ حسنہ کو دیکھ کر ہی اسلام کو قبول کیا تھا اور حق تو یہ ہے کہ اسلام نام ہی کارزارِ عمل میں بے تابانہ کود جانے کا ہے۔عمرانیات کا مطالعہ بتاتا ہے کہ ہر وہ

معاشرہ جس میں اخلاق وعمل کی بلندی کا فقدان تھا وہ جلد ہی انحطاط پذیر ہو گیا۔

میری یہ بھی خواہش ہے کہ اگر آپ دسمبر کے وسط میں قادیان تشریف لائیں اور آپ کے پاس پاکستان کا پاسپورٹ بھی ہو اور ربوہ کا ویزہ بھی تو آپ ربوہ کا سالانہ جلسہ بھی دیکھ سکیں گے۔ جو 28,27,26ر دسمبر کو منعقد ہوگا۔ آپ غالباً ربوہ کے کوائف واحوال تو بہ تفصیل جانتے ہوں گے، جسے ہماری جماعت نے بے سروسامانی کی حالت میں ایک وادی غیر ذی زرع زمین کا وسیع ٹکڑا خرید کر بسایا ہے اور جہاں عمل پیہم کے نظارے نظر آتے ہیں۔ امید کہ پاسپورٹ آپ کے پاس موجود ہوگا۔ صرف ویزا لینے اور فرصت نکالنے کی ضرورت ہوگی۔

اسلامی اصول کی فلاسفی کا مطالعہ فرما چکنے کے بعد اپنے خیالات و تاثرات سے مطلع فرماویں۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حافظ وناصر رہے۔

والسلام

خاکسار

مرزا وسیم احمد، ناظر دعوۃ وتبلیغ قادیان

20-11-58

4

لکھنؤ 11-23

صدیقی الاجل!

یاد فرمائی کا شکریہ۔ دسمبر میں لکھنؤ چھوڑنا میرے لئے ممکن نہیں۔ کیونکہ یہی زمانہ سالنامہ کی طیاری کا ہے۔ ہاں وسط جنوری کے بعد ''دارالامان'' آنے کی کوشش کروں گا۔ ربوہ جانے کی ہمت نہیں۔ خام بدم، پختہ، شدم، سوختم، پچھلے دو دور زندگی کے ختم ہو چکے۔ اب تیسرے دور سے گزر رہا ہوں......آمد و شد کی طاقت اب کہاں......؟

والسلام

خاکسار

نیاز

۞

5

لکھنؤ 2-12

عطوفت پناہا!

آپ نے جس محبت سے مجھے یاد فرمایا ہے اس کا شکریہ کن الفاظ میں ادا کیا جائے۔ اس دعوت ''برگ ونوا'' کا اقتضاء یہ تھا کہ میں دیوانہ وار بلا تامل آستانہ گرامی تک پہنچ جاتا۔ لیکن قطع نظر ضعف و کہولت سے میری مجبوریاں اور پابندیاں کچھ عجیب قسم کی ہیں۔ ''خانہ دارم کہ پندارند در بانش منہم'' حالانکہ یہ خدمت دربانی بھی مجھ سے ادا نہیں ہوتی۔ تاہم جی چاہتا ہے کہ ''دارالامان'' پہنچ کر چند دن سکون کے بسر کروں۔ خدا کرے یہ آرزو جلد پوری ہو۔

والسلام

نیاز

۞

(علامہ نیاز صاحب کو کچھ اور لٹریچر بھجوایا گیا تھا جس کے جواب میں جو خط موصول ہوا وہ اگلے صفحہ پر درج ہے۔)

6

لکھنؤ 6۔ 5

مکرمی السلام علیکم

کرمنامہ ملا! میں تمام کتابوں پر علیحدہ علیحدہ تبصرہ نہیں کروں گا بلکہ ان کے مطالعہ کے بعد جس نتیجہ پر میں پہنچا ہوں اس کو ایک تفصیلی نوٹ کے ذریعہ سے ملاحظات میں ظاہر کر دینا چاہتا ہوں۔

غالباً جون کے نگار میں[1]۔ والسلام خاکسار

نیاز

۞

7

لکھنؤ 8-21

مکرمی

نواز شنامہ ملا! ابھی مجھے احمدی جماعت کے متعلق بہت کچھ لکھنا ہے۔ یہ پہلی قسط۔ جب صاحبزادہ صاحب ربوہ سے واپس آجائیں تو مجھے لکھ بھیجئے......

......ہوسکتا ہے کہ آیندہ موسم سرما میں قادیان پہونچنے کی کوشش کروں۔

والسلام

نیاز

۞

[1] اس کے بعد علامہ نیاز صاحب نے اپنے رسالہ ''نگار'' میں ''احمدی جماعت'' کے عنوان سے تبصرہ شائع فرمایا۔(مرتب)

8

نگار بلڈنگ لکھنؤ 9-1

مکرمی! آپ ربوہ سے تشریف لے آئے ۔اچھا ہوا۔ مجھے بعض ضروری باتیں کرنا تھیں ۔اگست کے نوٹ کو پڑھ کر متعدد خطوط میرے پاس آئے اور یہ سلسلہ بندنہیں ہوا۔بعض خط بہت عجیب وغریب ہیں ۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ انہیں پڑھ کر اپنے استدراکات کے ساتھ واپس کر دیں۔

اب تو میں نے اس مسئلہ پرقلم اُٹھایا ہےاوراس وقت تک خاموش نہ ہوں گا جب تک میں لوگوں کو یقین نہ دلاؤں کہ جو کچھ میں نے جس نقطہ نظر سے لکھا ہے وہ قطعی واذعانی چیز ہے۔آئینہ کمالات اسلام پڑھ چکا ہوں ۔ براہین احمدیہ پنجاب سائیکل ورکس لکھنؤ سے منگا کر پڑھوں گا۔ستمبر کے نگار میں بھی ایک مختصر سا نوٹ اس مسئلہ پرملاحظہ سے گزرے گا۔

نگار اکتوبر کے تقریبا18 صفحات محمود احمد عباسی (کراچی) کی کتاب خلافت معاویہ و یزید کے لئے وقف ہوں گے۔اس لئے اکتوبر میں احمدی تحریک پرزیادہ تفصیل کے ساتھ لکھنے کا موقعہ شاید نہ ملے تاہم کچھ اشارات ضرور ہوں گے۔اسی کے بعد میں سوچ رہا ہوں کہ کیوں نہ ایک شمارہ پورا اس کے لئے وقف کر دیا جائے۔ مجھے اب مسئلہ کو آخر تک پہنچانا ہے۔

والسلام

نیاز

۞

9

Nigar Building Lucknow

12رستمبر 1959ء

نیازنوازا!   مکرمت نامہ مل گیا۔ مجھے جو خطوط اس دوران میں موصول ہوئے ہیں ان میں اکثر یکسر ناقابل توجہ ہونے کی وجہ سے تلف کر دیئے گئے۔ کیونکہ ان میں سبّ وشتم کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ بعض حضرات نے بے شک کچھ ایسی باتیں لکھی ہیں جن کو وہ اپنے نزدیک اصولی سمجھتے ہیں اور میری رائے میں فروعی ہیں۔ چنانچہ ستمبر کے پرچہ میں ہلکا سا اشارہ کر دیا ہے۔ اکتوبر کے پرچہ میں چونکہ ''خلافت معاویہ و یزید'' پر مجھے زیادہ بسیط گفتگو کرنا تھی اس لئے ''احمدی تحریک'' پر نہ مزید غور کا موقعہ مجھے مل سکا اور نہ کسی تفصیلی اظہار خیال کا۔

آپ نے حال ہی میں جو چند کتابیں بھیجی ہیں ان کا مطالعہ کر رہا ہوں۔ براہین احمدیہ مجھے یہاں مل جائے گی اس کے بھیجنے کی فکر نہ کیجئے۔ کیا آپ کے ادارہ نے کوئی کتاب ایسی شائع کی ہے جس سے حضرت مرزا صاحب کی پوری سیرت سامنے آجائے اور یہ معلوم ہو جائے کہ آپ کس خاندان سے تعلق رکھتے تھے، کب اور کس ماحول میں پیدا ہوئے، تعلیم کہاں اور کیونکر ہوئی۔ اوّلاً آپ کا نفسیاتی رجحان کیا تھا اور پھر اس میں کیا کیا تبدیلیاں کس طرح ہوئیں۔ دعویٰ مہدویت آپ نے کب، کن حالات میں کیا اور اس کا ردّعمل کیا ہوا۔ اگر کوئی کتاب ایسی شائع ہوئی ہو تو بھیج دیجئے۔ شکر گزار ہوں گا......

نیاز مند

نیاز

10

Nigar Building lucknow

12/9

مکرمی!

السلام علیکم

ایک خط بھیج رہا ہوں۔ اسے پڑھ کر اپنی رائے کے ساتھ واپس کر دیجئے کیونکہ مجھے آئندہ جو کچھ لکھنا ہے اس میں ان تمام باتوں کو سامنے رکھنا پڑے گا۔ براہین احمدیہ دیکھ چکا ہوں اس سے بہت متاثر ہوا ہوں۔

والسلام

نیاز

۞

11

نگار بلڈنگ لکھنؤ

25-9-59

صدیقی الاعز!

21ر کا مکرمت نامہ سامنے ہے اور سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کی پُرخلوص محبت کا اعتراف کن الفاظ میں کروں۔ اس دوران میں آپ نے جتنی کتابیں مرحمت فرمائیں ان سب کا مطالعہ تو ابھی تک نہیں کر سکا لیکن اس وقت تک کے محدود مطالعہ ہی نے بہت سے حجابات سامنے سے اٹھا دئے ہیں اور جذبات کے ہجوم و تراکم کا یہ عالم ہے کہ:

سر ایں رشتہ نہ دانم زکجا بکشایم

گفتگو کے اتنے زاویے اور استدلال و استنتاج کے اتنے پہلو سامنے ہیں کہ ان کو سمیٹنا دشوار ہے اور معاملہ بالکل

''جلوہ ہا در نظر و دیدن نیست''

کا ہے۔ پھر اگر سوال صرف اپنے ''نفس مطمئنہ'' کا ہوتا تو کوئی مضائقہ نہ تھا خاموش ہو کر بیٹھ جاتا۔ لیکن اپنے سینہ کی آگ میں نے کبھی نہیں چھپائی (چھپا سکتا ہی نہیں) اس لئے حددرجہ بیتاب و مضطرب ہوں کہ کب اور کیونکر دنیا کو دعوت نظارگی دوں۔ میں نے ایک ذہنی لائحہ عمل تو تیار کرلیا ہے لیکن عملی حیثیت سے جو دشواریاں سامنے حائل ہیں، ان کا حل آسان نہیں۔ اگر میں صرف نگار کے ذریعہ اپنے خیالات کا اظہار کروں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ مہینوں تک پورا پرچہ اس موضوع کے لئے وقف رہے اور اگر نگار سے علیحدہ کسی کتابی صورت میں اسے پیش کروں تو اس کی افادیت کم ہو جاتی ہے۔ بہرحال میں ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں کرسکا کہ مطالعہ سے فارغ ہونے کے بعد میری تمنا کا دوسرا قدم کیا اور کہاں ہوگا۔

میں نے غبار یاور صاحب کا خط آپ کو اس لئے نہیں بھیجا تھا کہ اس کو پڑھ کر میں وساوس میں مبتلا ہو گیا تھا بلکہ صرف اس لئے کہ آپ کو بھی اپنے مخالفین کی بے چارگی و بے مائیگی کا علم ہو جائے۔ تفنّناً ایک کارڈ اور بھیج رہا ہوں۔ یہ مولانا عبدالحامد قادری بدایونی کا ہے جو بڑے زبردست عالم و صوفی ہیں۔ میں نے اس کا جواب انہیں دے دیا ہے کہ یہ یزید کے باب میں جو الزام انہوں نے مجھ پر قائم کیا ہے وہ درست نہیں۔ یزید کے مداح کوئی اور صاحب ہیں میں نے تو ان کی کتاب پر تبصرہ کرنے کا ذکر کیا تھا نہ یہ کہ میں خود اس کا مداح ہوں۔ احمدی جماعت کے متعلق جو فقرہ انہوں نے لکھا تھا اس کا جواب بھی میں نے ان الفاظ میں دے دیا ہے کہ:

''احمدی جماعت کے افراد کو میں آپ سے بہتر مسلمان سمجھتا ہوں کیونکہ آپ کی طرح وہ گالیوں پر نہیں اترتے''

اس کارڈ سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ علماء ظواہر کا یہ گروہ کتنا سطحیت پسند، کس درجہ غیر مہذب، کتنا غیر معقول اور کس قدر بے بصر ہے۔ یہ کارڈ واپس کر دیجئے گا۔ کسی وقت میں اس سے کام لوں گا۔

حیات مجدد اعظم کے مطالعہ کے سلسلہ میں مجھے ایک بات دریافت کرنا ہے۔ وہ یہ کہ خواجہ کمال الدین وغیرہ کیوں اس جماعت سے علیحدہ ہو گئے تھے۔ اور کیا یہ صحیح ہے کہ کسی وقت غیر احمدی افراد کو کافر سمجھ کر ان سے علیحدہ رہنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ اگر یہ صحیح ہے تو کب اور کیوں؟

اکتوبر کے نگار میں ''خلافت معاویہ ویزید'' پر میرا تبصرہ شائع ہو رہا ہے۔ وقت ملے تو ایک نگاہ ڈال لیجئے گا۔ خاکسار نیاز

12

(علامہ نیاز صاحب کو رسالہ ''مطالبات تحریک جدید'' بھجوایا گیا تھا اس کے جواب میں یہ خط ہے:)

Nigar Building lucknow

28/9

مکرمی! السلام علیکم

تحریک جدید کا مجھے پہلے سے کوئی علم نہ تھا۔ اب اس کو دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا ہے کہ جو جماعت اپنی زندگی میں اتنا عظیم تغیر پیدا کر سکتی ہے اس کو یقیناً ایک نہ ایک دن عالمی قوت بن جانا ہے۔ خلیفۃ المسیح الثانی کی تفسیر آج کل دیکھ رہا ہوں اور ان کے تبحر علمی کی خاموش داد دے رہا ہوں۔ معلوم نہیں یہ تفسیر مکمل ہو گئی یا نہیں۔

نومبر کے نگار میں غبار یاور صاحب کا خط اپنے نوٹ کے ساتھ شائع کر رہا ہوں.....

والسلام

نیاز

13

لکھنؤ 9/10

صدیق محترم!   نوازش نامہ کا شکریہ۔ آپ کی دشواریوں سے ناواقف نہیں لیکن میری زندگی میں تو غالباً دور نہ ہوسکیں۔ ''بعد از سر من'' کچھ ہو بھی تو مجھے کیا۔ کتابیں بھی مل گئیں اور افریقن ٹائمز کا تراشہ بھی۔ آج کل تفسیر کبیر جلد سوم زیر مطالعہ ہے۔ میں نے ایک خط جناب مرزا بشیر الدین محمود صاحب کے نام آپ ہی کے ذریعہ سے بھیجا ہے غالباً مل گیا ہوگا۔ اس کی باقی جلدیں کہاں ملیں گی؟ میں اس کو قیمتاً لینا چاہتا ہوں۔

نیاز

۞

14

لکھنؤ 9/10

نیاز نواز!   السلام علیکم

9/اکتوبر کا مکرمت نامہ مل گیا۔ تفسیر کبیر دیکھنے کی چیز نہیں حرزِ جان بنانے کی چیز ہے۔ آپ نے اس کی فراہمی کا وعدہ کر کے حیات تازہ بخش دی۔

شکر نعمت ہائے چندانکہ نعمت ہائے تو

جی تو یہی چاہتا ہے کہ جلد از جلد یہ سرمایہ ہاتھ آجائے لیکن آپ سے یہ التجا کرنا کہ آپ اپنے کتب خانہ کے نسخے مجھے بھیج دیں غالباً ناروا جسارت ہوگی۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ آپ جو نسخے ربوہ سے لائیں وہ اپنے پاس رکھ لیں اور اپنے نسخے مجھے بھیج دیں۔ بہر حال مجھے تو مکمل تفسیر چاہئے۔ خواہ آپ عنایت فرمائیں، خواہ آستانۂ حضرت سے عطا ہوں۔ اپنے عریضہ کے جواب میں حضرت کے

ارشادات کا بے چینی سے انتظار کر رہا ہوں۔ کتابیں پہنچ گئی ہیں اور مطالعہ شروع کر دیا ہے۔

والسلام

نیاز

15

مکرم مولوی برکات احمد صاحب راجیکی مرحوم قائمقام ناظر دعوت وتبلیغ نے حضرت مرزا وسیم احمد صاحب کی قادیان سے غیر حاضری کے دوران جو خط تحریر کیا اس کے جواب میں علامہ موصوف نے یہ خط تحریر فرمایا:

نگار لکھنؤ 5/11

مکرمی! کل تفسیر کبیر کی چوتھی جلد ملی اور آج آپ کا گرامی نامہ۔

کس منہ سے شکر کیجئے اس لطف خاص کا

ربوہ کی جلدیں ابھی نہیں ملیں۔ صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب کی واپسی پر مجھے ضرور مطلع کیجئے کہ وہ کب لوٹے اور کب تک رہیں گے۔ مجھے ''عسلِ مصفیٰ'' کی ایک جلد درکار ہے۔ میں اسے دیکھ کر واپس کر دوں گا۔ نومبر کے نگار میں بجواب مستفسر میرا ایک مضمون بعنوان ''احمدیت'' ملاحظہ طلب ہے۔ دسمبر میں بھی میرا ایک مقالہ ''احمدیت اور میں'' نگاہ سے گزرے گا۔

والسلام نیاز

16

نگار لکھنؤ 12/11

مکرمی! السلام علیکم

9اور 10/ر کے گرامی نامے ملے۔تفسیر کبیر کی چار جلدیں آپ کی طرف سے اور چار جلدیں ربوہ سے مل گئیں۔

شکر نعمت ہائے تو چندانکہ نعمت ہائے تو

''عسل مصفیٰ'' کی بھی دونوں جلدیں مل گئیں۔آپ کی اتنی کتابیں میرے پاس جمع ہوگئی ہیں کہ مجھے اب ان کی واپسی کی فکر پیدا ہوگئی ہے۔سوچ رہا ہوں کہ ذریعہ ریلوے بھیجنا مناسب ہوگا یا نہیں۔ یا ایک صورت یہ ہوسکتی ہے کہ یہاں مولوی خیرالدین کو دے دوں اور وہ جب قادیان جائیں تو ساتھ لے جائیں۔

نومبر کی کاپیاں بہت کم رہ گئی ہیں۔تاہم میں نے دفتر کو ہدایت کر دی ہے کہ جس طرح ممکن ہو آپ کے ارشاد کی تعمیل کی جائے ۔ یقینا مجھ سے تسامح ہوا کہ دمشق کے سلسلہ میں حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب کے بجائے بانیٔ احمدیت کا نام لکھا گیا۔اس کی صحت آئندہ کسی اشاعت میں کر دوں گا۔اس تنبیہ کا شکریہ۔

خاکسار

نیاز

17

Nigar Building lucknow

23/11　　　مکرمی

السلام علیکم

ایک خط لاہور سے آیا ہے۔ بغرض ملاحظہ بھیج رہا ہوں۔ دیکھ کر اپنی رائے کے ساتھ واپس فرما دیجئے۔ کیونکہ ممکن ہے اس کا جواب مجھے دینا پڑے۔ تفسیر کبیر کی 8 جلدیں مجھے مل گئیں۔ اس لطف خاص کا بیش از بیش شکریہ قبول فرمائیں۔

خاکسار

نیاز

۞

18

Nigar Building lucknow

8/مارچ1960ء

مکرمی!　　　السلام علیکم

آپ کا مفصل خط مل گیا تھا فوراً جواب نہ دے سکا کیونکہ اس کے ساتھ جو اور لٹریچر آپ نے بھیجا تھا وہ بھی مجھے پڑھنا تھا۔

ملک عزیز الرحمن صاحب نے جو الزامات قائم کئے تھے ان میں سے اکثر ایسے تھے کہ میں خود ہی ان کو لغو نا قابل اعتبار سمجھتا تھا۔ اب آپ کی تحریر سے اس کی مزید تصدیق ہوگئی۔ اس دوران میں تفسیر کبیر برابر پیش نظر رہی اور رات کو تو بالالتزام اسے دیکھتا ہوں۔ میں نے اسے کیسے پایا؟ یہ بڑی تفصیل طلب بات ہے لیکن مختصر یوں سمجھ لیجئے کہ میرے نزدیک یہ اردو میں بالکل پہلی تفسیر ہے جو

بڑی حد تک ذہن انسانی کو مطمئن کر سکتی ہے۔

دورانِ مطالعہ میں بعض مقامات ایسے بھی سامنے آئے کہ ایک کیفیت مستفسرہ میرے اندر پیدا ہوئی اور میں نے چاہا کہ اس سلسلہ میں آپ سے مراسلت کروں لیکن اس خیال سے کہ حضرت میرزا صاحب کے پاس اتنا وقت کہاں ہوگا کہ وہ اس طرف توجہ کرسکیں، خاموش رہا۔ آپ کو یاد ہوگا کہ ایک بار میں نے پہلے بھی ایک لفظ کے متعلق آپ سے استصواب کیا تھا اور آپ نے وعدہ کیا تھا کہ آپ میری تحریر ربوہ بھیج دیں گے لیکن آپ غالباً بھول گئے، خیر۔

معلوم نہیں تفسیر کبیر کی تحریر و تدوین کا سلسلہ جاری ہے یا نہیں؟ میں سمجھتا ہوں کہ اس کو مکمل ہونا چاہئے۔ بلکہ اس کے ساتھ اس کا خلاصہ بھی شائع ہونا چاہئے تا کہ وہ ہر شخص کے ہاتھوں تک پہنچ سکے ۔اس میں شک نہیں کہ آپ کے ادارہ نے اس تفسیر کے ذریعہ سے جو خدمت اسلام کی انجام دی ہے وہ اتنی بلند ہے کہ آپ کے مخالف بھی اس کا انکار نہیں کر سکتے۔

وَذَالِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءِ

خاکسار نیاز

19

لکھنؤ 17/3

مکرمی السلام علیکم

بڑی خوشی ہوئی یہ سن کر کہ تفسیر کبیر کی تدوین کا سلسلہ جاری ہے۔ بڑی عجیب چیز ہے اس کا ذکر ضرور نگار میں کروں گا۔

خاکسار نیاز

نئی مطبوعات

(۱) احمدیت کا نفوذ سابق صوبہ سرحد حال خیبر پختون خواہ میں

یہ کتاب پاکستان کے اس اہم صوبہ میں گذشتہ یکصد سال سے زائد عرصہ میں احمدیت کے نفوذ اور تدریجی ترقی کی تاریخ ہے۔حقیقت یہ ہے کہ اس علاقہ میں احمدیت کے نفوذ کیلئے خود خدا تعالیٰ نے راہ ہموار فرما دی تھی۔اس علاقہ کے ایک بزرگ حضرت سید امیر رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ سے قبل ہی اپنے مریدوں کو آپؑ کی آمد کی اطلاع دے دی تھی جس کے نتیجہ میں انہوں نے حضور علیہ السلام کو شناخت کیا اور قبول کیا۔کتاب ہذا میں جماعت کے اس معجزانہ آغاز سے لے کر تا ایندم تاریخ کے علاوہ اس علاقہ کے اوّلین بزرگان اور عمائدین کی ایمان افروز قربانیوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔اسی بناء پر مبصرین نے اسے اس صوبہ میں احمدیت کا انسائیکلو پیڈیا قرار دیا ہے۔

اس مفید اور دیدہ زیب کتاب کا ہدیہ صرف پانچ ڈالر ہے۔

(۲) سانحہ ٹوپی

یہ کتاب 1974ء میں جماعت احمدیہ کے خلاف چلائی گئی تحریک کے دوران اُن ایمان افروز واقعات پر مشتمل ہے جو سابقہ صوبہ سرحد کے علاقہ 'ٹوپی' میں احمدی خاندانوں کو پیش آئے۔اِن واقعات کو پڑھ کر قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔اس مفید اور دیدہ زیب کتاب کا ہدیہ صرف تین ڈالر ہے۔

(۳) پولوس-موجودہ عیسائیت کا بانی

عیسائیت کے متعلق یہ کتاب حال ہی میں شائع ہوئی ہے۔اس میں عیسائیت کا تجزیاتی جائزہ لیا گیا ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ کس طرح پولوس نے ایک کشف کا سہارا لیکر حضرت مسیح علیہ السلام کے سادہ مشن کو جو صرف اسرائیلی قوم کیلئے تھا،غیر اقوام میں پھیلانا شروع کیا اور آہستہ آہستہ ایک نئے مذہب کا روپ دے دیا۔

☆☆

تعارف مصنف

محمد اجمل شاہد صاحب کی پیدائش یکم جنوری ۱۹۳۱ء بمقام فیصل آباد ہوئی۔ والد محترم چوہدری سر بلند خانصاحب کو سیدنا حضرت مسیح موعودؑ کے دستِ مبارک پر ۱۹۰۴ء میں بیعت کا شرف حاصل ہوا۔ آپ نے مولوی فاضل ۱۹۴۹ء میں ،شاہد جامعۃ المبشرین سے ۱۹۵۲ء میں اور ایم اے عربی و اسلامیات ۱۹۶۴ء , ۱۹۸۳ء میں مکمل کی۔

۱۹۵۳ء تا ۱۹۵۹ء ایسٹ پاکستان (بنگلہ دیش) میں بطور مربی پہلا تقرر ہوا۔ بعد ازاں ۱۹۶۰ء میں ساہیوال اور ۱۹۶۱ء تا ۱۹۶۵ء پشاور میں تقرر ہوا۔ ۱۹۶۶ء تا ۱۹۷۱ء کراچی میں تقرر ہوا۔ اس عرصہ میں قرآن مجید اور سیرت النبیؐ پر تین شاندار نمائشوں کا انتظام کیا۔

۱۹۶۷ء میں حکومت کی طرف سے راولپنڈی میں جشنِ نزول قرآن مجید کی چودہ سو سال کی تقریب میں جماعت کی نمائندگی کی۔ ''اسلام اور امنِ عالم'' کا مضمون حاضرین میں تقسیم کیا گیا۔

۱۹۷۲ء تا ۱۹۸۱ء۔ تقریباً دس سال تک نائجیریا میں بطور امیر و مشنری انچارج خدمت کی توفیق ملی۔ اس عرصہ میں وہاں کی ایک اہم زبان یوروبا میں قرآن مجید کے ترجمہ کے دو ایڈیشن شائع کئے۔ تمام ملک میں تقریباً ایک صد مساجد تعمیر کروائیں۔

لیگوس میں احمدیہ سیٹلمنٹ کا آغاز کیا جہاں حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے ۱۹۸۰ کے دورِ خلافت میں مشن ہاؤس، احمدیہ ہسپتال اور سنٹرل مسجد کے سنگِ بنیاد رکھے۔

تصانیف:

☆ اسلامی نماز ☆ اسلامی دعائیں ☆ پولوس۔ موجودہ عیسائیت کا بانی

☆ اسلام اور امن عالم ☆ تعبیر الرؤیا ☆ ملاحظات نیاز فتحپوری

☆ مودودیت۔ منزل بہ منزل ☆ صوبہ سرحد میں احمدیت کا نفوذ

☆ Decade of Progress ☆ Interpretation of Dreams

☆ Homeopathy: Selected Family Cures ☆ سانحہ ٹوپی

ALLAMA Niaz Fatehpuri AUR Jamaat AHMADIYYA (MULAHIZAT Niaz Fatehpuri), is based on impartial and unbiased observations of a well known legendary figure and critic , Allama Niaz FATEHPURI , after the study of some literature of AHMADIYYA Jamaat. He also had some personal interviews and discussions with the members of AHMADIYYA Jamaat, LUCKNOW, India.
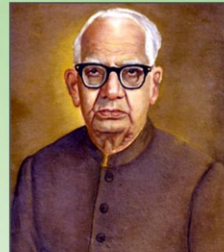
Niaz MUHAMMAD Khan (1886-1966) who also bears a historical name Liaquat Ali Khan, was well known as an Urdu poet, writer and polemicists. He was the founder and editor of NIGAR , a most prestigious monthly Journal of sub continent.

He started writing in favour of AHMADIYYA Jamaat in NIGAR, in the late sixties of the last century. His writings stirred the whole religious world and many speculations were discussed. How a person who was known for his critical and aggressive writings against so called religious scholars of the time, should appreciate the claims of Hazrat Mirza Ghulam Ahmad[AS] and project his Jamaat as the most beautiful and practical form of Islam.

Niaz FATEHPURI wrote on diverse aspects of AHMADIYYA Jamaat. He was particularly attracted by the commentary of the Holy Qur'an by Hazrat Musleh Maud[rz], which according to him is the first and unique commentary which satisfies the mind of a modern man.

Niaz FATEHPURI took the pains in his old age to visit QADIAN- the Headquarter of the Jamaat, to assess the practical aspects of the members of the Jamaat and was very much impressed by meeting the DARVESHS who dedicated their lives for the cause of Ahmadiyyat- the true Islam.

It is pity, that the custodians of his literary and religious pursuits, are trying to black out his views about the AHMADIYYA JAMAAT. The humble self met Dr. Farman FATEHPURI in late sixties at his residence in Karachi and told him that justice demands that along with other aspects of ALLAMA NIAZ FATEHPURI, his views about Ahmadiyyat should be acknowledged. But they lack the courage of their mentor and master.

MULAHIZAT - Niyaz Fatehpuri

Mohammad Ajmal Shahid - U.S.A